ماہنامہ
بیداری
حیدرآباد

مدیر
☆☆☆
حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام
☆☆☆
سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
400-بی لطیف آباد 4-حیدرآباد
E-MAIL
m.moosabhutto@gmail.com
www.bedarimillat.com

جلد انیسواں ○ اکتوبر-نومبر 2024
قیمت: 25روپے، سالانہ: 300روپے

موبائل نمبر:
03463216078

قرآن کا پیام ہمارے نام	محمد موسیٰ بھٹو	۲
ہمارے کچھ اہم معاملات	محمد موسیٰ بھٹو	۱۲
احادیث نبوی کی روشنی میں لاشعور کی وسعتیں (تلخیص)	مسز فاطمہ برہان	۲۲
پروفیسر عبدالخالق سہریانی مرحوم	محمد موسیٰ بھٹو	۳۰
اسکرین کا نشہ اور خاندانی وسماجی زندگی پر اس کے اثرات	ڈاکٹر فہیم الدین	۳۳
یہود ونصاریٰ کی حقیقت قرآن حکیم کی روشنی میں	سعد عبداللہ	۴۸
حضرت بایزید بسطامیؒ اور راہب کا دلچسپ مناظرہ		۵۴
علماء کون ہیں؟	مریم جمیلہ	۶۳
فضول باتوں کے نقصانات	تحریر: نقیبہ صابر سروری قادری	۶۶
بندہ مؤمن کی طرز زندگی اور اس کے اصول وآداب	مولانا محمد یوسف / ترتیب وتشریح: محمد موسیٰ بھٹو	۷۴
تبصرہ کتب	محمد موسیٰ بھٹو	۷۹

پبلشرز محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ 400بی لطیف آباد-4-حیدرآباد سے شائع کیا

محمد موسیٰ بھٹو پہلی قسط

قرآن کا پیام
ہمارے نام

اسلام کی بنیاد کا
ایمان وعقائد سے وابستہ ہونا

اسلام کی بنیاد ایمان اور عقائد ہیں، اس کے بغیر اعمال قطعاً قبول نہیں ہیں، سورۃ بقر کی ابتدائی آیتوں اور اس کی آخری آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی قرآن میں جگہ جگہ ایمان کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایمان سے محروم افراد کے بڑے سے بڑے اعمال بھی مسترد ہوں گے، اس لئے کہ کائنات کی جس ہستی نے انسان سمیت یہ ساری کائنات بنائی ہے، اس ہستی کی توحید کا اقرار اور اس ہستی کی طرف بلانے والے انبیاء کو ماننا اور جن فرشتوں کے ذریعے کائنات کے نظام کو چلایا جارہا ہے، ان کو ماننا اور اللہ کے سامنے پیش ہوکر پوری زندگی کا حساب کتاب پیش کرنا یعنی آخرت پر ایمان، یہ بنیاد ہے، اس بنیاد کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں، ایمان کا ایک تو زبان سے ماننا ہے، دوسرا دل کی گہرائیوں میں ایمان کو داخل کرنا ہے، اس کے لئے ایمان پر محنت کی ضرورت ہے، محنت کے بغیر ایمان وہ نتائج پیدا نہیں کرسکتا کہ فرد اپنی شخصیت کو مٹا کر اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ کے تابع کردے، اللہ کو ایمان کی ایسی حالت مطلوب ہے، جس سے بندہ، عبدیت کے آداب پوری طرح بجالائے اور ہر طرح کے طاغوت سے کٹ کر خالص اللہ کے لئے ہوجائے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣلَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵)

(اللہ کے رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ہے، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اس کے فرشتوں پر اور اس کے کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں فرق نہیں کرتے)۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

اللہ کی عبادت کا ہونا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ (سورۃ الذاریات آیت ۔ ۵۶)

(میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں)۔

انسان کی پیدائش کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے، اس لئے قرآن میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، عبادت، بندے کے عبدیت ۔ یعنی بندہ ہونے کا مظاہرہ بھی ہے تو اللہ کی شان عظمت کا تقاضا بھی۔ بندہ عبادت کے ذریعہ ہی اللہ سے قرب کے مقامات طے کرتا ہے، عبادت، نفس کی الوہیت سے دستبردار ہو کر، محض اللہ کے لئے جینے اور مرنے کی استعداد پیدا کرتی ہے، عبادت سے جب اللہ کی شان عظمت کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو فرد کی شخصیت کا سحر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور وہ سلیقہ اسلوب ۔۔۔ سے بہرہ ور ہو کر جہاں اللہ سے وفاداری کے رشتے سے منسلک ہو جاتا ہے، وہاں سلیقہ اسلوب ۔۔۔ سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کے لئے باعث خیر و برکت بھی۔

عبادت میں ویسے تو اطاعت بھی شامل ہے، لیکن عبادت سے علمائے کرام نے جو مراد لی ہے، وہ اللہ کی عظمت اور بڑائی بیان کرنا اور اللہ کے سامنے اپنی شخصیت کی پامالی کا مظاہرہ کرنا

ہے، عبادت نماز، ذکر اذکار، دعا، تسبیح، تلاوت قرآن، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے، یعنی عبادت انہی چیزوں سے عبارت ہے، اللہ کو بندے کا سب سے زیادہ جو عمل پسند ہے، وہ عبادت ہی ہے، عبادت سے فرد نفس اور مادیت ۔ پسندی کی قوتوں سے آزاد ہو کر، خالص اللہ کا ہو جاتا ہے، عبادت کا عمل (جس میں نماز اور ذکر و فکر بنیادی حیثیت کے حامل ہیں) جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے تو شخصیت میں اضطراب اور بے یقینی بھی پیدا ہونے لگتی ہے تو ساتھ ساتھ نفس اور مادیت ۔ کے اثرات سے اس کا ذہن بھی زیر و زبر ہونے لگتا ہے، اس طرح صحیح سمت اور پاکیزہ سمت میں اس کی سوچ کا عمل متاثر ہوتا ہے، عبادت بندے کو استحکام اور استقلال عطا کرتی ہے کہ وہ غیر اللہ کی نفی کر کے اللہ کے لئے یکسو ہو جاتا ہے۔

عبادت میں ضمنی طور پر اطاعت بھی آجاتی ہے کہ بندہ جس ہستی کا غلام ہے، اس ہستی کی طرف سے زندگی بھر کے لئے جو احکامات دیئے گئے ہیں، ان احکامات کو بجالانا، ایک اعتبار سے اطاعت ہے تو دوسرے اعتبار سے عبادت کا حصہ بھی، عبادت کی حقیقت رسمی نوعیت سے آگے بڑھکر جسم و جان اور دل کی پوری توانائیوں کا عبادت میں شریک ہونا ہے، جب تک اس طرح کی عبادت کی استعداد پیدا نہیں ہوتی تب تک فرد کی زندگی میں حقیقی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔

عبادت میں معرفت بھی شامل ہے، اس لئے لیعبدون سے مراد لیعرفون لی گئی ہے، یعنی اللہ کی حقیقی معرفت جب عبادت میں اللہ کی حقیقی معرفت کے عناصر شامل ہوں گے تو اس سے شخصیت پر اللہ کی شان عظمت کا نقش مستحکم ہو گا اور زندگی کا کوئی پہلو اور گوشہ ایسا نہ ہو گا جو اللہ کی مخلصانہ اطاعت سے خالی ہو۔

قرآن میں سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں فرمایا گیا ہے، اے انسانو، اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور تم سے پہلے کے لوگوں کو بھی، تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت جہاں مقصود ہے، وہاں اس کی ایک بڑی غرض یہ ہے کہ اللہ کی خشیت اور اس کا کھٹکا پیدا ہو، اللہ کا دھیان غالب ہو، یعنی اگر اللہ کا کھٹکا غالب نہ ہو گا تو عبادت کے تقاضے پورے نہ ہوں گے اور عبادت سے وہ اہداف حاصل نہ ہوں گے جو اسلام کو مطلوب ہیں۔

عبادت کے بارے میں یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ عبادت محض بندے اور خدا کے درمیان ذاتی تعلق پیدا کر کے بندے کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے معاملات سے غیر متعلق بنانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ عبادت سے فرد کی شخصیت میں وہ توانائی اور وہ روح پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کی اجتماعی معاشرتی زندگی پاکیزہ بن جاتی ہے۔

قرآن

لوگوں کے نام اللہ کا پیغام

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

(سورۃ ابراہیم آیت ۵۲) (یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے تاکہ عقلمند نصیحت حاصل کریں)۔

یہ قرآن انسانوں کے نام اللہ کا ایسا پیغام ہے کہ اس سے تعلق قائم کرنے کے نتیجے میں اللہ سے خشیت کی حالت بھی پیدا ہوتی اور مستحکم ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ اللہ کو واحد معبود سمجھ کر اس کی عبادت کا مزاج بھی پختہ ہونے لگتا ہے، یہ قرآن تو اہل دانش کے لئے ہی نصیحت ہے۔

اس آیت میں قرآن کا سارا پیغام پیش ہو گیا ہے کہ اگر خشیت کے ساتھ عبادت کا مزاج پیدا ہو جائے تو زندگی ایمان، یقین، اعمال صالحہ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے پوری طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کی عبادت اور اطاعت کے منافی چیزوں سے بیزاری کی حالت پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن سے گہرا تعلق قائم ہو، اس پر غور و فکر ہو اور اس کے پیغام کو دل کی گہرائیوں میں سمایا جائے۔

قرآن سے روزانہ تعلق کے نتیجے میں آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور یہ خوف و خطر لاحق ہوتا ہے کہ معلوم نہیں اس کے ساتھ ابدی زندگی میں کیا معاملہ ہو گا، ساتھ ساتھ اللہ کی رحمت اور اس کی بخشش سے امید کی حالت بھی قائم ہوتی ہے۔

قرآن، بندے کو خشیت اور عبادت کے دائرہ سے باہر جانے ہی نہیں دیتا، یہ اللہ کی تاثیر سے بھری ہوئی ایسی کتاب ہے کہ یہ زندگی کو پوری طرح بدل کر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) کو غالب کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

قرآن فرد کا ایسا ذہنی سانچہ قائم کرتا ہے کہ مادی نظریات اس سانچے سے ٹکرا کر زیر و زبر ہو جاتے ہیں، قرآن دل کی ایمانی حالت کو اتنا مستحکم کرتا ہے کہ دل، دنیا سے بے نیازی اور اللہ پر یقین کی حالت سے مستحکم ہونے لگتا ہے، اور فرد ہر طرح کے باطل سے صف آرا ہو کر محض اللہ کا ہو جاتا ہے، بندہ مومن کو زندگی میں سب سے زیادہ سہارا قرآن سے ہی ملتا ہے، جس دن اس کی تلاوت متاثر ہوتی ہے، وہ دن خوف و حزن اور حالت اداسی میں گزرنے لگتا ہے۔

قرآن کے انوار اور اس کی تاثیری صلاحیت کا جتنا بھی ذکر کیا جائے، کم ہے، بندہ مومن کو دل کی گہرائیوں سے سمجھ کر قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے، قرآن کے ساتھ ذکر کا معمول ہونا بھی ضروری ہے کہ دونوں سے بندے کو غیر معمولی تقویت ملتی ہے، ذکر سے قرآن کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے تو قرآن سے ذکر کی رغبت پیدا ہوتی ہے، دونوں ایک

دوسرے کے معاون ہیں، اس لئے کہ ذکر میں اللہ کے انوار شامل ہیں تو قرآن میں اللہ کے کلام کی قوت موجود ہے، دونوں مل کر بندہ مومن کو مستحکم رکھتے ہیں۔

قرآن سے حقیقی استفادہ کے لئے

تقویٰ کی طلب کا ناگزیر ہونا

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ بقرہ آیت ۔ ۲) (یہ قرآن ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لئے)۔

یہ (قرآن) متقین کے لئے ہدایت ہے، یعنی اس قرآن سے ہدایت اور عبرت و موعظت وہی لوگ حاصل کر سکیں گے، جن کے اندر تقویٰ کی طلب موجود ہوگی، جن کے اندر خشیت کے عناصر موجود ہوں گے، جو ہدایت کی راہ پر گامزن ہونے کی طلب اور اس کے ذوق و شوق سے بہرہ ور ہوں گے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن، اہل علم کے لئے ہی نصیحت ہے جبکہ اس آیت نے یہ بات واضح کر دی کہ ہدایت کا تعلق تقویٰ سے ہے، یہاں اہل علم کا لفظ استعمال نہیں ہوا کہ یہ قرآن اہل علم کے لئے ہدایت ہے، بلکہ تقویٰ کا لفظ استعمال کیا گیا، اہل علم کا لفظ استعمال نہ کرنے کا غالباً سبب یہ ہے کہ علم ایسی چیز ہے کہ اگر اس کے ساتھ تقویٰ کے عناصر موجود نہ ہوں تو اس طرح کا فرد قرآنی علم کو اپنی شہرت، اپنے قرآنی فہم پر ناز، علمی برتری اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن جب تقویٰ کے حصول کے مقصد کے لئے غور و فکر سے پڑھا جاتا ہے تو اس سے زندگی کا رنگ ڈھنگ بدلنے لگتا ہے فرد اسلام سے پوری طرح ہم آہنگ ہونے لگتا ہے اور آخرت کی زندگی مقصود بن جاتی ہے تو ساتھ ساتھ علم اور اس کی روح بھی حاصل ہوتی ہے، اور اس قرآنی علم کو فرد خالصتہ اللہ کی رضا کی خاطر دوسروں کی اصلاح کے لئے استعمال کرتا

ہے، تقویٰ کے ساتھ حاصل ہونے والا قرآنی علم، اہل علم کو معاشرے کا قیمتی انسان بنا دیتا ہے۔

لیکن دیکھا گیا ہے کہ زیادہ ذہنی اور علمی صلاحیتوں کے حامل افراد قرآنی علم کو یا تو علم برائے علم کی خاطر حاصل کرتے ہیں یا پھر قرآنی علم سے علمی برتری کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، اس صورت میں قرآن سے عبرت و موعظت اور ہدایت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

ہمارے دور میں ایک شخصیت نے کئی جلدوں پر مشتمل قرآنی تفسیر لکھی، انہوں نے اپنی جماعت بھی بنائی، ان کے تفسیر کا اہم نکتہ یہ تھا کہ قرآن، جماعت المسلمین کو صحیح قرار دیتا ہے (ھو سماکم المسلمین) باقی سب کی نفی کرتا ہے، اس لئے ہماری جماعت ہی قرآنی جماعت ہے، اپنی جماعت کے علاوہ انہوں نے سب کی تکفیر کر دی، یہاں تک کہ اس جماعت سے وابستہ افراد کے عزیز و اقارب اگر مسلمان کی حیثیت سے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے، اس شخصیت نے قرآنی علم کے حوالے سے امت میں بڑے مسائل پیدا کئے اور بہت سارے افراد کو امت اور قرآن کے حقیقی روح سے کاٹ کر اپنی گمراہ کن جماعت کا حصہ بنایا، یہ جماعت اب بھی متحرک ہے، اسی طرح دوسرے متعدد اصحاب علم ہیں، جنہوں نے اپنے دور کے ذہنی اور علمی پس منظر میں قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی، انہیں نظر آیا کہ قرآن کا نصب العین تو خارجی زندگی میں دین کے غلبے کی جدوجہد کرنا ہے، انہوں نے سارے قرآن کی تشریح اس مرکزی نکتہ کے تحت کی، جس کی وجہ سے اس طرح کی صاحب علم شخصیتوں کی قرآنی فکر سے متاثر افراد تقویٰ، پرہیزگاری، خشیت، اللہ کی محبت وغیرہ کے کام کو زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ ان چیزوں کو اصل نصب العین یعنی خارجی زندگی میں دین کے غلبے کے کام کے لئے معاون سمجھتے ہیں، اس لئے تقویٰ اور عبادت کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن سے تقویٰ کے حصول کے کام کو اگر اہمیت حاصل نہ ہوگی تو قرآنی علم سے دین کے اہداف بدل جائیں گے، اس لئے تقویٰ کو فیصلہ کن اہمیت دینا ضروری ہے۔

تقویٰ کے ثمرات اور اس کی برکتیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (سورۃ الانفال آیت ۲۹) (اے ایمان والو اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تمہیں حق باطل میں تمیز پیدا کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے گا)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (سورۃ الحدید آیت ۲۸) (اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ تو تمہیں رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہیں ایسا نور عطا فرمائے گا جس میں تم چلوگے)۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورۃ الطلاق آیت ۲۔۳) (جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکالنے کے راستے پیدا کردیتا ہے اور اس کے لئے روزی کا انتظام ایسی جگہ سے کرتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا)۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (سورۃ الطلاق آیت ۴) (جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کردیتا ہے)۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا (سورۃ الطلاق آیت ۵) (جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے گناہ دور کردے گا اور اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

قرآن میں تقویٰ پر غیر معمولی طور پر زور دیا گیا ہے، اور مختلف پہلوؤں سے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت کا عطا ہونا، نور کی حالت میں

چلتے رہنا، مشکلات سے نکالنے کا راستہ پیدا کرنا، روزی کا ایسی جگہ سے عطا ہونا کہ وہم و گمان میں ہی نہ ہو، معاملات میں آسانی کا پیدا ہونا، بُرائیوں کو دور کرکے اجر عظیم عطا فرمانا، اس طرح کے سارے انعامات کو تقویٰ سے وابستہ فرمایا گیا ہے، اس طرح صاحبان تقویٰ کے لئے خیر کثیر کی صورتیں پیدا فرمائی گئی ہیں۔

جس تقویٰ کے اتنے سارے انعامات و برکات اور ثمرات ہیں، اس کے حصول کے لئے فرد کو جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف کرنی چاہئے، لیکن اس سلسلے میں عام طور پر ہماری جو حالت ہے وہ قابل رحم ہے، تقویٰ کوئی گری پڑی حالت نہیں ہے کہ وہ آسانی سے حاصل ہو سکے، اس کے لئے مجاہدوں کے ذریعہ خیالی قوت اور نفس کی بے لاگ قوت کو قابو کرکے اسے اللہ کے تابع کرنا پڑتا ہے۔

تقویٰ اس حالت کو کہتے ہیں کہ بندے پر اللہ کا دھیان (کھٹکہ) غالب ہو، اس کھٹکہ کی وجہ سے عمل صالح کرنا آسان ہو اور بُرائی سے بچنے کی استعداد موجود ہو، اس حالت کو پرہیزگاری بھی کہتے ہیں اور خشیت کی حالت بھی۔

تقویٰ کی یہ استعداد بڑے مجاہدوں اور مشقتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ استعداد پیدا ہوتی ہے تو اسے مستحکم کرنے کے لئے مستعد ہونا پڑتا ہے۔

تقویٰ کے نتیجے میں سینے کو کشادہ کردیا جاتا ہے، اور دل میں حکمت کی باتیں القا کردی جاتی ہیں اور پاکیزہ الفاظ میں موجود روح تک رسائی کی صورت پیدا کردی جاتی ہے، نیز علم میں نورانیت اور وسعت و برکت پیدا کردی جاتی ہے۔

تقویٰ، دنیا کی فکرمندی پر اللہ کے سامنے پیش ہونے کی فکرمندی اور آخرت کے احساس کو غالب کردیتی ہے، تقویٰ سے بندے کا دل، دنیا سے بے نیاز ہونے لگتا ہے کہ دنیا اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس میں توانائیاں صرف کی جائیں۔ تقویٰ کے نتیجے میں بندے کا یہ مزاج پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ اس کی جملہ ضروریات کے لئے کافی میسر ہوتا ہے۔

تقویٰ کی حالت ایسی ہے جس میں قرآن کی تلاوت سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اور بندہ مومن اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے کہ وہ اسے معاف کرے اور آخرت میں اسے اپنی پکڑ سے بچالے، اس لئے کہ بندہ اس کی سزا کا متحمل ہی نہیں ہے۔

تقویٰ فرد کو گناہوں سے بچانے کا ذریعہ بھی ہے، غرض کہ تقویٰ کی یہی حالت اللہ کو مطلوب ہے، اس کی وجہ سے بندہ کو نوازا جاتا ہے اور اس سے معافی کا معاملہ فرمایا جاتا ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

دوسری قسط

ہمارے کچھ اہم معاملات
احادیث نبوی کی روشنی میں

مسلمان کو پہنچنے والی ہر تکلیف سے گناہوں کا معاف ہونا

فرمایا: مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے، حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کرنا چاہے، اسے تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

بندہ مومن کو دنیا میں بہت ساری تکالیف، مصیبتوں اور اذیتوں سے واسطہ پڑتا ہے، اسے آئے دن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان تکالیف میں جسمانی بیماری، جان و مال کے نقصانات، مالی اعتبار سے تنگی، نفس کے خلاف مجاہدوں کے نتیجے میں نفس کی طرف سے ہونے والی شدید مزاحمت قبض و بے قراری کے حالات بلکہ بے قراری کے انگارے، مادیت پسندی اور لادینیت کی بڑھتی ہوئی یلغار پر شدید ذہنی اذیت اور اس یلغار کو روکنے کے سلسلے میں اپنی بے بسی کی حالت پر اذیت وغیرہ، یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔

مذکورہ احادیث میں اس طرح کی ساری اذیتوں اور تکلیفوں پر بندہ مومن کو خوش خبری سنائی گئی ہے کہ یہ اس کے گناہوں کی معافی اور رحمت و ثواب کا ذریعہ ہے۔

بندہ مومن ویسے تو ہر طرح کے حالات میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے، لیکن اسے اس طرح کی اذیتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، اگرچہ ان اذیتوں سے اس کی روح پر زیادہ اثر نہیں پڑتا، روح مطمئن رہتی ہے، لیکن صحت کی خرابی وغیرہ سے اسے تکلیف ضرور ہوتی ہے اور ذہن پر کسی حد تک اس کا اثر ضرور پڑتا ہے، صحت کی خرابی کی وجہ سے اس کی کارکردگی اور اس کے اعمال بھی متاثر ہوتے ہیں۔

اس طرح کی ساری حالتوں میں مومن کے لئے خیر ہی خیر ہے، اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں۔

دوسروں سے عفوودرگزر کرنے
والوں کی عزت میں اضافہ ہونا

فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے، جو دوسروں سے عفوودرگزر سے کام لیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

اجتماعی زندگی ایسی ہے جس میں افراد کے افراد سے تعلقات درپیش ہوتے ہیں اور معاملات بھی ہوتے رہتے ہیں، ان تعلقات اور معاملات میں ایک دوسرے سے ناراضگیاں اور نااتفاقیاں ہوتی رہتی ہیں، اس طرح کی ناراضگیوں کے مواقع پر ایک دوسرے سے انتقام لینے یا تعلقات کشیدہ کرنے کی بجائے عفوودرگزر سے کام لینا بڑی سعادت کی بات ہے، ایسے افراد خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے، اور متعلقہ لوگوں کے دلوں میں ان سے جذباتِ محبت پیدا کرتا ہے، یہ اللہ کی سنت ہے، جو اس فرد کے ساتھ لاگو ہوتی ہے، جو دوسروں کے قصوروں کو دل سے معاف کرتا ہے۔

عفوودرگزر میں اللہ نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ اس سے مخالف فرد بھی ایسے فرد کی عزت کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، لیکن عفوودرگزر کی استعداد کا پیدا ہونا آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے اپنے آپ کو مٹانا پڑتا ہے، اور اپنی شخصیت کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

جھگڑا چھوڑنے والوں
کے لئے انعامات کی خوش خبری کا ہونا

فرمایا: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت کے درمیان میں بنائے گا اور جو ناحق ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے تو اس کا گھر جنت کے کنارے پر بنائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

یہ دوسری حدیث شریف بھی پہلی حدیث کی طرح عفوودرگزر سے کام لینے والے افراد کے درجات کی بلندی کی نوید سناتی ہے، جھگڑے کا مزاج ایسا ہے، جو نفس کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر پیدا ہوجاتا ہے، بہت کم افراد ہوتے ہیں جو معاملات وتعلقات میں پیش آنے والی الجھنوں اور مزاج کے خلاف ہونے والی باتوں کے مواقع پر صبر، تحمل وبردباری سے کام لے کر جھگڑا ختم کرکے تعلقات بہتر بنانے پر تیار ہوں لہٰذا ان کی اس نفسیات کو پیش نظر رکھ کر جھگڑے کو ختم کرنے والے کے لئے اتنی بڑی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

چونکہ جھگڑے سے معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے، افراد کے درمیان دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں، نیز معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے، اس لئے اسلام ہر طرح سے جھگڑہ ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے لیکن جو شخص بغیر کسی حق وحقوق کے محض طبیعت کی خرابی کی وجہ سے چھوٹی سی بات پر دوسروں سے الجھنے کے لئے کوشاں ہو تو اس فرد کے لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ ناحق پر ہونے کے باوجود جھگڑا ختم کردے تو اسے جنت کے کنارے پر گھر بنانے کی صورت میں انعام دیا جائے گا، بندوں پر اللہ کی عنایت اور اس کی فیاضی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بعثت کا مقصد

اخلاق کی تکمیل کا ہونا

فرمایا: میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔(الموطا کتاب حسن الخلق، ص:۷۵۶)

اخلاق حسنہ تزکیہ نفس سے ہی پیدا ہوتے ہیں، اس کے بغیر اخلاق حسنہ پیدا نہیں ہوتے، اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث اخلاق حسنہ کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

اسلام کی نظر میں ایسا فرد ہی بلند مرتبے کا حامل ہے، جو اخلاق حسنہ کا مالک ہے، جس کی سیرت و کردار پاکیزہ ہے، جس کی زندگی دوسروں کے لئے اذیت کا باعث ہونے کی بجائے خیر و برکت کا باعث ہے، جس سے معاملات کرتے ہوئے فرد یہ چاہنے لگتا ہے کہ اس سے مزید قریب ہوا جائے، تا کہ اس کی حقیقی خوشبو سے لطف اندوز ہوا جائے، اس طرح کا اخلاق حسنہ تزکیہ سے ہی پیدا ہوگا اور حضور ﷺ کی زندگی کے نقش قدم پر چلنے سے، تزکیہ کے لئے مربی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

اخلاق حسنہ کا سب سے زیادہ وزنی ہونا

فرمایا: قیامت کے دن اخلاق حسنہ سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔(سنن ترمذی ۲۰۰۲)

اخلاق حسنہ ایسی چیز ہے جو مصنوعی طور پر پیدا نہیں ہوتی، اس کے لئے دل اور اس کے ساتھ پوری انسانی شخصیت کو بدلنا پڑتا ہے، اور شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر تشکیل کرنی پڑتی ہے، اس سے نفس کی پامالی اور فنائیت کا عمل واقع ہوتا ہے، جس سے اللہ سے محبت میں ڈھلا ہوا ایک ایسا انسان وجود میں آتا ہے، جو اللہ کے بندوں کے لئے شفیق اور کریم ہوتا ہے، جو ہر صورت میں انسانوں کی بھلائی چاہتا ہے، جو بے غرضانہ کردار کا حامل ہوتا ہے، اس طرح

کا فرد ہی ہے، جس کے اعمال قیامت میں وزنی ہوں گے، اور دوسرے افراد کے بہت سارے اعمال کے مقابلہ میں محض اخلاق کی بلندی کی وجہ سے وہ دوسروں سے بلند مقام پر فائز ہوگا۔

تھوڑی روزی پر راضی رہنے والوں کے تھوڑے اعمال پر راضی ہونا

فرمایا: جو شخص تھوڑی روزی پر راضی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے تھوڑے اعمال پر راضی رہے گا۔(مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر ۵۲۶۳)

یہ حدیث شریف ایسی ہے، جو ہمیں قناعت کے ساتھ زندگی گزارنے کے سلیقے سے آشنا کر سکتی ہے، آخرت میں جہاں نفسا نفسی کا عالم ہوگا، ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہوگا، اس وقت اللہ کی طرف سے بندے کے تھوڑے سے اعمال پر راضی رہنے کی خوش خبری سنانا کتنا بڑا انعام ہے، لیکن یہ انعام اسی فرد کو عطا ہوگا، جو دنیا کے اپنے زیادہ حصے سے دستبردار ہونے، دل سے دنیا کی محبت کو نکالنے اور دنیا پر ٹوٹ پڑنے والے مزاج سے بلند ہوگا اور جو تھوڑی روزی پر راضی ہوگا۔

آج کل جو ماحول پیدا ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ فرد چاہتا ہے کہ وہ مالی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو، اور اس معاملے میں وہ دوسروں سے آگے بڑھے، بہت سارے لوگ ہیں، جو اس آرزو میں جیتے ہیں، لیکن عملاً ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، ایسے افراد کی نفسیات بھی زیادہ روزی چاہنے والوں ہی کی ہوتی ہے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی والا مزاج رکھے گا اور تھوڑی روزی پر راضی رہے گا، اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے اعمال پر راضی رہے گا۔

یہ حدیث شریف ہمیں دنیا پر مجنون وارانہ طور پر گرنے سے بچانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، جو بدنصیبی سے اس وقت ہمارا مزاج بن چکا ہے۔

شہرت کے حامل شخص کا فتنے میں مبتلا ہونا

فرمایا: وہ شخص فتنے میں مبتلا ہوا (یا ہلاک ہوا) جس کی شہرت کی وجہ سے اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں مگر جسے اللہ تعالیٰ (اپنے فضل خاص سے) بچالیں۔(البيهقي في شعب الإيمان(نسخة محققة:٦٥٨٠)

یہ حدیث شریف ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم شہرت سے بچنے کے لئے، ممکن حد تک کوشاں ہوں، آج کل سوشل میڈیا میں ہر باصلاحیت اور ذہین فرد وہ چاہے مذہبی ہو یا غیر مذہبی، وہ اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ شہرت حاصل ہو، اس حدیث کی رو سے ایسا فرد سخت خطرے میں مبتلا ہے۔

مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے والے کا ملعون ہونا

فرمایا: ملعون ہے وہ شخص جو اپنے کسی مسلمان بھائی کو نقصان پہنچائے یا اسے دھوکہ دے۔(سنن ترمذی تحفة الأشراف:٦٦١٩)

ہم عام طور پر کسی کو نقصان پہنچانے کے عمل کو معمولی سمجھتے ہیں، اور اس میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، حالانکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور ایسے شخص کو ملعون فرمایا گیا ہے، بزرگان دین کا کہنا ہے کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کو اذیت پہنچانا ہے، اس معاملے میں غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہم زبان اور عمل کے ذریعہ کسی بھائی کو اذیت نہ پہنچائیں۔

محض اللہ کے لئے ملاقات کے لئے آنے والے کا جنتی ہونا

فرمایا: جو شخص اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے شہر کے کسی کونے سے چل کر اس کے پاس آتا ہے، وہ جنتی ہے۔

اس حدیث شریف میں محض اللہ کے لئے ملاقات کے لئے وقت نکال کر کسی کے ہاں جانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے، اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو ذکر کی مجلس میں شرکت کے لئے دور دراز یا شہر کے ایک کونے سے آکر شریک ہوتا ہے۔

آج کے دور میں دنیاوی مفادات کے لئے ملاقاتوں کا تو اہتمام ہوتا ہے، لیکن محض اللہ کے لئے ملنے کی روایت معدوم ہو گئی ہے۔ سبب یہ ہے کہ طبیعتوں پر دنیاداری کا غلبہ ہے، جس کی بنا پر محض اللہ کے لئے ملاقات کے لئے طبیعتوں میں وحشت و بیزاری پیدا ہوتی ہے، ہمارے ایک دور میں اس بات کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے ملنے کے لئے آتے تھے اور رات بھی قیام کرتے تھے۔

بندے کی فضول کاموں میں مصروفیت، اللہ سے روگردانی کی علامت ہونا

فرمایا: بندے کی فضول کاموں میں مصروفیت اللہ سے روگردانی کی علامت ہے اور اس بات کی بھی کہ اللہ نے اس سے نظر التفات پھیر لی ہے۔“

اس حدیث شریف کی روشنی میں ہم اگر اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا روزمرہ زندگی کا کافی وقت فضول کاموں میں صرف ہوتا ہے، سوشل میڈیا کے غیر ضروری پروگرام دیکھنا، اخبارات میں سیاستدانوں کے نفس پرستی پر مبنی بیانات کو پڑھتے رہنا، موبائل پر غیر ضروری گفتگو کرنا، ضرورت سے زیادہ روزی میں بہت زیادہ وقت صرف کرنا، یہ سارے کام

ایسے ہیں جو اللہ سے روگردانی کی علامت ہیں، اور اس بات کی بھی کہ اللہ نے اپنی توجہ ہٹالی ہے۔

بندہ مومن کا تو سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنی اخلاص کی حالت کو مستحکم سے مستحکم کرے، تاکہ اس کے اعمال قبولیت کا شرف حاصل کر سکیں، ورنہ اخلاص کے بغیر اعمال کی قبولیت ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے، اخلاص، ذکر و فکر کے مجاہدوں ہی سے پیدا ہوتا ہے، بندہ مومن کا فارغ وقت ذکر و فکر میں ہی صرف ہوتا ہے، اس سے اعمال میں جان پیدا ہوتی ہے، حقیقی بندہ مومن کو تو یہ شکایت ہوتی ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا، ذکر میں صرف ہونے والے وقت سے دل کی پوری طرح تشفی نہیں ہوتی۔

آنے والے دن کی فریاد

فرمایا: آنے والا دن شروع ہوتا ہے تو پکار کر کہتا ہے کہ میں نئی مخلوق ہوں، تیرے عمل پر شاہد ہوں، تو مجھ سے حاصل کرلے (جو بھی حاصل کر سکتے ہو) میں تو اب قیامت تک واپس نہیں آؤں گا۔(أبو نعيم أصبهاني، حلية الأولياء،۲:۳۰۳)

یہ حدیث شریف ایسی ہے جو ہمیں جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے کہ ہم نے صبح سے رات گئے تک اپنے جو معمولات بنائے ہیں، اس میں نوے فیصد سے زیادہ حصہ دنیاوی کاموں کا ہے، ہم اپنے معمول کو بدلیں ہر دن کو اللہ سے محبت اور اللہ سے تعلق کو مستحکم کرنے کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ کارگر بنائیں، دن گزر جانے کے بعد وہ دوبارہ تو واپس آتا نہیں، دن اس لئے ہوتا ہے، تاکہ اسے آخرت کی تیاری کے لئے بہتر سے بہتر طور پر استعمال کیا جائے، دن، چند دنوں کی مادی زندگی کو خوبصورت اور بہتر بنانے کے لئے نہیں ہوتا، وقت اور دن کی

حقیقی قدر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس پونجی سے آخرت کا سامان جمع کر سکیں، آخرت کا سامان اخلاص، اعمال صالحہ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

لوگوں کو سنانے کے لئے عمل کرنے والے کی رسوائی کا انتباہ

فرمایا: جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے عمل کرے گا، تاکہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو تو اس کے عیب کو اللہ تعالیٰ مشہور کرے گا اور قیامت کے دن اسے رسوا کرے گا۔(الصحیح الرقم:۱۵۲/۷)

شہرت اور جذبہ نام وری سے بچنا دشوار ترین کام ہے، لگ بھگ ہر شخص کا دل کی گہرائیوں میں اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور شہرت حاصل کرنے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔
شہرت کے جذبے سے دستبردار ہو کر اس کی جگہ اخلاص پیدا کرنے کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دینا ضروری ہے، اخلاص آسانی سے پیدا نہیں ہوتا، اس کے لئے نفس کے ساتھ عرصے تک صف آرا ہونا پڑتا ہے۔

مسلمان بھائی کی ٹوہ میں لگنے کی سزا

فرمایا: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے، جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ لگ جاتا ہے، اسے رسوا کر دیتا ہے، چاہے وہ اپنے گھر میں ہی کیوں نہ ہو۔ (المصدر : مجمع الزوائد الصفحة أو الرقم ۸:۹۰خلاصة حكم المحدث : رجاله رجال الصحيح غيرميمون بن عجلان وهو ثقة)

یہ حدیث شریف ہم میں سے ہر فرد کے لئے انتباہ ہے کہ ہم دوسروں کے پیچھے پڑنے کی بجائے اپنی فکر کریں، اپنی فکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہماری شخصیت تو بہت سارے گناہوں سے عبارت ہے اور اخلاص (جس پر سارے اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے) کے اعتبار سے تو ہماری حالت بہت زیادہ کمزور ہے، اس صورت میں دوسروں کی فکر کرنا اور ان کی کردہ اور ناکردہ بُرائیوں کو بیان کرتے رہنا سب سے زیادہ خسارہ کا سودہ ہے۔

آدمی کے حشر کا، محبت
کرنے والے کے ساتھ ہونا

فرمایا: آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ [صحيح بخاري/الادب:٦١٧٠]

محبت رکھنے میں سب سے زیادہ احتیاط کا ہونا ضروری ہے، ایسے فرد جو اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کی صلاحیتوں وصفات کا حامل ہے، اس سے محبت کے تعلق کو قائم اور مستحکم رکھنے سے فرد ان جیسا بننے کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ انہی صفات وخصوصیات کا حامل ہوتا جاتا ہے، اس طرح وہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ اٹھے گا، اسی طرح دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے والے فرد کی صحبت سے فرد ان جیسا بنتا ہے اور آخرت میں بھی وہ ان کے ساتھ اٹھائے جائے گا، یہ بہت اہم نکتہ ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔

مسز فاطمہ برہان

لاشعور کی وسعتیں

(تلخیص)

زیر نظر مضمون اپنے موضوع پر اہم مضمون ہے، مضمون کا ایک حصہ ایسا تھا جسے صرف تصوف سے وابستہ افراد ہی سمجھ سکتے تھے، اس لئے ہم نے وہ حصہ حذف کیا ہے، مضمون ماہنامہ "سلطان الفقر" کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ (مدیر)

انسانی ذہن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، شعور اور لاشعور۔ شعور ذہن کا وہ حصہ ہے جس میں وہ سوچ اور ارادے موجود ہوتے ہیں جن کے متعلق ہم جانتے ہیں، شعور رکھتے ہیں یا وہ ہمیں یاد ہوتے ہیں جبکہ لاشعور انسانی ذہن کا سب سے زیادہ طاقتور حصہ ہے۔ لاشعور یعنی وہ شعور یا ماضی جو "لا" ہے اور ابھی ظاہر نہیں ہوا بلکہ چھپا ہوا ہے یا بھول چکا ہے۔ حقیقت "لا" رکھنے کے باوجود اس کا انسانی شخصیت پر اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ انسان کی مکمل ظاہری وباطنی شخصیت اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ جیسے جیسے انسان کا لاشعور اس کے شعور پر ظاہر ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کی شخصیت اس کے سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے۔

انسانی وجود کے بھی دو حصے ہیں ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر کا تعلق اس کے شعور کے ساتھ ہے جبکہ باطن اور روح کا تعلق اس کے لاشعور کے ساتھ ہے۔ مصنف ڈاکٹر جوزف مرفی اپنی کتاب "ذہن کی پوشیدہ طاقت" میں لکھتے ہیں:

آپ کے پاس صرف ایک دماغ ہے لیکن آپ کا دماغ دو مخصوص خصوصیات کا حامل ہے۔ آپ کے دماغ کے دو افعال جذباتی طور پر مختلف ہیں ہر ایک کو الگ الگ صفات اور اختیارات سے نوازا گیا ہے۔ عام طور پر آپ کے ذہن کے دو افعال کو الگ کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے نام کچھ یوں ہیں: معروفی اور موضوعی ذہن، شعوری اور لاشعوری ذہن، جاگتا اور سوتا ہوا ذہن، سطحی نفس اور گہرا نفس۔ (نفس کی پوشیدہ طاقت)

اس مضمون کا مقصد ہمارے لاشعور ذہن کی وسعتوں کو بیان کرنا ہے۔ ہمارے لاشعور میں ہمارا گزرا ہوا کل بچپن کی یادیں، جوانی کی بہاریں، کئی تلخ لمحات، کئی خوشگوار یادیں، کئی پچھتاوے، افسوس، ملامت، محبت و نفرت کے جذبات، روزمرہ کے معمولات اور خصوصاً زندگی کا وہ سفر جس کا آغاز ماں کے پیٹ سے شروع ہو کر بچے کی آٹھ سال کی عمر تک ہوتا ہے، شامل ہیں۔ بچہ لاشعوری طور پر اپنے ماحول سے سیکھتا ہے۔ اس کا بچپن اس کی ابتدائی تربیت کا اہم حصہ ہے اور اس کے کردار اور شخصیت میں منفی یا مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ اکثر ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہمارے لاشعور میں خاندانی جینز (Genes) بھی شامل ہوتے ہیں۔

ہمارے دماغ کا لاشعور حصہ زندگی میں انتہائی خوشگوار نتائج مرتب کر سکتا ہے کیونکہ لاشعور میں ہمارے عقائد، نظریات، سوچ اور ارادے شامل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم خود کو یہ کہتے ہیں کہ "میں یہ کام کر سکتا ہوں" I am the best, I can do it یہ سب ہم اپنے لاشعور کو مثبت سوچ دے رہے ہوتے ہیں۔ لاشعور دماغ کا اتنا مضبوط حصہ ہے کہ ہمارا دماغ تمام اندرونی اور بیرونی طاقتوں کو بروئے کار لا کر خوشگوار نتائج فراہم کرنے کی دھن میں لگ جاتا ہے۔

مصنف 'جوزف مرفی' ہمارے لاشعور ذہن کی کرشماتی طاقت کے متعلق لکھتے ہیں "آپ ایک کپتان کی طرح ہیں جو جہاز پر سوار ہو رہے ہیں، اسے صحیح احکامات دینے چاہئیں اور

اسی طرح آپ کو اپنے لاشعور دماغ کو صحیح احکامات (خیالات اور تصاویر) دینے چاہئیں جو آپ کے تمام جذبات کو کنٹرول کرتا ہے۔" (ذہن کی پوشیدہ طاقت)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ماہر نفسیات بتاتے ہیں کہ جب خیالات آپ کے لاشعور دماغ تک پہنچتے ہیں تو دماغ کے خلیوں پر اثرات بنتے ہیں۔ جیسے ہی آپ کا لاشعور کسی خیال کو قبول کرتا ہے وہ اسے فوری طور پر نافذ کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ یہ خیالات کی انجمن کے ذریعے کام کرتا ہے اور ہر وہ علم استعمال کرتا ہے جو آپ نے اپنی زندگی میں جمع کیا ہے تاکہ اس مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔ یہ آپ کی اندرونی لامحدود طاقت، توانائی اور حکمت کو کھینچتا ہے، یہ اپنے راستے کو حاصل کرنے کے لیے فطرت کے تمام قوانین کو ترتیب دیتا ہے۔ (ذہن کی پوشیدہ طاقت)

یہاں ایک اور دلچسپ حقیقت جاننا اہم ہے کہ انسان کے لاشعور کا تعلق نہ صرف اس ظاہری دنیا کے ساتھ ہے بلکہ عالمِ امر اور عالمِ خلق کی یادوں کے نقوش بھی اس میں موجود ہوتے ہیں۔ عالمِ امر اور عالمِ خلق کے کل چھ عالم ہیں جن میں تنزل فرما کر ذاتِ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی اور اسے قائم رکھا ہوا ہے۔ ان چھ عوالم کو تنزلاتِ ستہ بھی کہا جاتا ہے۔

یعنی انسان کے لاشعور میں اس کی روح کا ماضی بھی شامل ہے۔ ارواح کی تخلیق ہوئی، اللہ پاک نے خود کو اسم اللہ ذات کی صورت میں جلوہ گر فرمایا۔ تمام ارواح اللہ تعالیٰ کے حسن بے مثال ولامحدود کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور حسنِ مطلق کی حمد وذکر میں محو ہو گئیں۔ یہی حمد، ذکر اسم اللہ ذات کا نور اور دیدارِ الٰہی جملہ ارواح کا رزق بنا اور وہ اسی رزق پر پلنے لگیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لاشعور میں فطری اور قدرتی طور پر دیدارِ الٰہی کے لیے کشش اور عشق کا جذبہ موجود ہے۔ انسان اس ظاہری دنیا میں خود کو جتنا بھی مصروف کر لے، مادیت کے اس دور میں جتنا مرضی تیز بھاگ لے، اس کے لاشعور سے ایک درد بھرا جذبہ اور ایک لطیف

سی کشش اٹھتی ہے جو دنیا بھر کی تمام نعمتیں ہونے کے باوجود اُسے بے چین اور بے قرار کر دیتی ہے۔انسان کی اس حالت کو Nostalgia بھی کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ روح اپنے ازلی وطن کو یاد کرتی ہے۔ارواح دیدارِ الٰہی کے لطف کو یاد کرتی ہیں۔انسان کے لاشعور میں وصالِ الٰہی کا لطف بھی موجود ہے اور ہجر کا درد بھی۔لاشعور سے جب وصال کا لطف ہمارے شعور میں اُبھرتا ہے تو بندہ خود کو انجانی خوشی میں مسرور پاتا ہے۔الغرض ہر انسان شعوری اور لاشعوری طور پر وصل اور ہجر کی کیفیات سے گزرتا رہتا ہے اور اس کا مشاہدہ اسے زندگی میں بارہا ہوتا بھی ہے۔ حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ پنجابی بیت میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

کُن فیکون جدوں فرمایا، اساں وی کولے ہاسے ھو
ہکے ذات ربّ دی آہی، ہکے جگ وچ ڈھونڈیاسے ھو
ہکے لامکان مکان اساں ڈا، ہکے آن بتاں وچ پھاسے ھو
نفس پلیت پلیتی کیتی باھو، کوئی اصل پلیت تاں ناسے ھو

مفہوم: جب اللہ تعالیٰ نے ''کن'' کہہ کر کائنات کو تخلیق فرمایا تو ہم بھی ساتھ ہی موجود تھے لیکن وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے سامنے موجود تھی اور لیکن یہ وقت ہے کہ ہم لباسِ بشر میں قید اس ذات کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں لیکن وقت تھا کہ ''لامکان'' میں ہمارا بسیرا تھا اور اب عنصری اجسام میں قید ہیں۔ہماری ارواح کو نفس نے آلودہ اور ناپاک کر دیا ہے ورنہ ہم اصل میں تو ایسے نہیں ہیں۔(ابیاتِ باھو کامل)

ہمارے لاشعور میں ایک ایسے واقعہ کی یاد موجود ہے جو ہماری فطرت کی بنیاد ہے۔وہ واقعہ ''عہد الست'' ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اپنا دیدار عطا کرنے کے بعد ان سے ''عہد

الست'' لیا تھا۔اس واقعہ کے نقوش نہ صرف ہمارے لاشعور میں موجود ہیں بلکہ قرآنِ حکیم نے بھی اس واقعہ کی شہادت دی ہے فرمایا گیا:

اَ لَسْتُ بِرَبِّکُمْ (سورۃ الاعراف: آیت 172)

ترجمہ: کیا میں تمہارا رب (پالنے والا) نہیں ہوں؟

یعنی کیا تم میرے حسن و جمال کے جلوؤں، دیدار اور میرے ذکر پر پل نہیں رہے ہو؟

اس وقت تمام ارواح کی آنکھیں نورِ اسم اللہ ذات سے منور اور مدہوش تھیں اور ہر کدورت و آلائش سے پاک تھیں اس لیے سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا قَالُوْا بَلٰی (سورۃ الاعراف: آیت 172)

ترجمہ: کہا، ہاں کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا پالنے والا ہے)۔

اس واقعہ کی بنا پر ہر انسان لاشعوری طور پر اپنے دل و دماغ میں ''خالقِ حقیقی'' کا تصور رکھتا ہے، پھر وہ چاہے ملحد ہی کیوں نہ ہو۔اس کا دل و دماغ تصورِ اللہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

اللہ نے بھی انسان کے ساتھ کمال فضل کا معاملہ فرمایا ہے کہ ہمیں لاشعور کی نعمت سے نوازا اور اس واقعہ کا علم یاد کی صورت میں ہمارے لاشعور میں پیوست کر دیا تا کہ حق کی راہ میں تفکر کرنے والے حق کو پالیں۔ حق کا راز ہمارے اندر ہی موجود ہے اور اس راز تک پہنچنے کے لیے ہمارا ''لاشعور'' وسیلہ ہے۔ہمارے لاشعور میں عہدِ الست کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ نہ وہ ہمیں مکمل یاد ہے اور نہ ہی وہ بھول چکا ہے۔

علامہ اقبال اپنی تصنیف ''تجدید فکریاتِ اسلام'' میں لکھتے ہیں:

ہر زمانے اور تمام مذہبی ممالک کے مذہبی تجربے کے ماہرین کی شہادت ہے کہ ہمارے عمومی شعور سے بالکل وابستہ ایک ایسا شعور بھی ہے جس میں بڑی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر

اس قسم کے حیات بخش شعور اور علم افروز تجربے کے امکانات کو کھول دیں تو نئے کے امکان کا سوال بطور ایک اعلیٰ تجربے کے بالکل صحیح ہو جائے گا اور ہماری سنجیدہ توجہ کا مرکز بن سکے گا۔

کیا عجب وسعت ہے ہمارے لاشعور کی!

کیا غضب کا لطف ہے ہمارے لاشعور میں!

ہمیں اکثر اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جسے ہم کبھی ملے نہیں مگر پہلی ہی ملاقات میں وہ دل کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اسے ایک عرصے سے جانتے ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے بغیر کسی وجہ کے کسی بندے سے کھنچنے لگتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ عالم ارواح میں کچھ ارواح ایک دوسرے کے قریب ہو گئیں تھیں۔ اس لگاؤ کے باعث وہ اس دنیا میں ایک دوسرے کے قریب رہنا پسند کرتی ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے:

حضرت ابوہریرہ مرفوعاً (نبی کریم ﷺ سے) بیان فرماتے ہیں "روحیں (ازل میں) مجتمع لشکر تھیں، جن کا (وہاں) آپس میں تعارف ہو گیا (دنیا میں) ان کے اندر الفت ہو جاتی ہے اور جن کی (وہاں) آپس میں ناواقفیت رہی ہو وہ اس دنیا میں بھی جدا جدا رہتی ہیں۔ (سنن ابوداؤد۔4834)

اسما کا علم اور لاشعور

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا .(سورۃ البقرہ:آیت ۔ 31)

ترجمہ: اور (اللہ نے) آدم کو تمام اشیا کے نام سکھا دیے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (سورۃ العلق:آیت ۔ 5)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس عالم ناسوت میں بھیجنے سے قبل تمام اسما کا علم سکھا دیا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ "علم" انسان کی تخلیق نہیں بلکہ انسان خود اپنے لاشعور سے اسے دریافت کرتا ہے اور یہ علم زمانے کی ضرورت اور ترقی کے تقاضوں کی بنا پر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جتنی بھی بڑی دریافتیں ہوئیں ہیں وہ سب اسی طرز پر ہوئیں۔ مثال کے طور پر کشش ثقل کا قانون (Law of Gravity)، نیوٹن کے شعور میں اچانک یہ نکتہ روشن ہونا کہ اشیا آسمان سے زمین کی جانب آتی ہیں جبکہ یہ عمل ازل سے ہوتا آرہا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ علم اس کے لاشعور میں موجود تھا بس اپنے مقررہ وقت پر تفکر کے ذریعے وہ لاشعور سے شعور میں منتقل ہو گیا۔

حاصل کلام:

انسان کا لاشعور بہت سی وسعتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے پیچیدہ مخلوق ہے۔ انسان کے اندر کا بھید وہی جان سکتا ہے جو خود انسان کامل کے مرتبہ پر فائز ہو، جو انسانی شخصیت کی تمام پیچیدگیوں اور روح کی حقیقت سے واقف ہو، لاشعور کے علم کو شعور میں لانے کے فن میں ماہر ہو۔ موجودہ دور میں انسان کامل سلسلہ سروری قادری کے موجودہ امام سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس ہیں۔ آپ مدظلہ الاقدس اپنے مریدین کو بیعت کے پہلے روز ہی ذکر و تصور اسم اللہ ذات عطا کر دیتے ہیں۔ ذکر و تصور اسم اللہ ذات کی مشق کرنے سے انسان کے اندر کی

تمام پیچیدہ گرہیں کھلتی جاتی ہیں۔ معمات حل ہوتے جاتے ہیں اور انسان روح کی حقیقت اور اس کے ازلی مقام و مرتبہ سے واقف ہوتا جاتا ہے۔ انسان کے لاشعور میں جو عالمِ امر اور عالمِ خلق کی یادیں موجود ہیں، ذکر و تصور اسم اللہ ذات کے ذریعے ان یادوں میں کشش اور تڑپ کی لہر اٹھتی ہے جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور انسان باطن کے روحانی سفر کی جانب گامزن ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مرشد کامل اکمل سلطان العاشقین حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کی زیرِ نگرانی ذکر و تصور اسمِ اللہ ذات کے ذریعے روحانی منازل طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد موسیٰ بھٹو

پروفیسر عبدالخالق سہریانی مرحوم

پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب ۸ ستمبر ۲۴ء کو ۸۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف سندھ کی اسلامی حلقہ کے نہایت متحرک وفعال شخصیت تھے، لگ بھگ ساٹھ سال تک وہ اسلام کے لئے علمی اور عملی طور پر کام کرتے رہے، آخر وقت تک وہ متحرک رہے، ان کی شخصیت اور کام پر تفصیلی مضمون لکھنے کی ضرورت تھی، لیکن فی الحال ہم نے اپنی کتاب "جدید سندھ کے دانشور اور عالم" میں ان کے بارے میں جو خاکہ لکھا ہے وہ پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب سندھ میں اسلامی حلقہ کے بڑے دانشوروں میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی مطالعہ میں صرف ہوئی ہے جدید دور کے نمایاں اور قابلِ ذکر مصنفوں، مفکروں اور مجتہدوں میں سے شاید ہی کوئی مفکر ہو، جسے موصوف نے نہ پڑھا ہو، مطالعہ کی وسعت کی وجہ سے ان کی فکر میں بھی وسعت موجود ہے۔ مسلمانوں کے ہر مکتبہ فکر کے افراد کو اپنا سمجھنا اور ان کے کاموں کو اپنا کام تصور کرنا، یہ ان کا زاویہ نگاہ ہے۔

موصوف کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ کامل نظریاتی شعور کے ساتھ مسلمانوں کے مختلف طبقات کی طرف سے ہونے والے کاموں میں عملاً شرکت کرنا اور ان کے شروع کردہ دینی کاموں میں دامے، درمے، سخنے تعاون کو وہ اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ کئی دینی اداروں سے غیر مشروط طور پر ان کے تعاون کا سلسلہ جاری ہے، چونکہ موصوف دانشور ہیں اور اسلامی فکر کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور دانشور احساسات میں شدید ہوتا ہے، اس لئے معاشرے

کے حالات پر دکھ اور اذیت محسوس کرنا اور حالات کو تبدیل کرنے کے لئے دردمندی، فکر مندی، یہ ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ موصوف نے علاقائی حقوق کے بارے میں "اسلام میں علاقائی حقوق کا تصور" کے نام سے اسلام کے موقف پر ایک اہم تحقیقی کتاب لکھی ہے، جو اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے، جو علمی حلقوں سے داد حاصل کرچکی ہے، اسی طرح ان کی دوسری کتاب "مسلم امہ میں قوم پرستی کے اثرات" ایک مستند اور اہم کتاب ہے، ان دونوں کتابوں میں موصوف نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، عالمگیر دین میں قوموں اور علاقوں کو کئی معاملات میں اپنے انفرادی علاقائی، لسانی اور محدود دائرے میں تہذیبی تشخص کو قائم و برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ اسلام کے مرکزی نظام یا وحدت اسلام کے نام پر علاقوں اور قوموں سے ان کے لسانی اور معاشرتی حقوق سلب کرنا، یہ ظلم ہے، اسلام کا عادلانہ نظام اسے برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور علاقوں کے وسائل پر پہلا، ابتدائی اور بنیادی حق علاقے کے مقامی اور مستقل باشندوں کو حاصل ہے۔ اسلامی ریاست میں علاقوں کے حقوق کو دستوری تحفظ حاصل ہے، علاقوں کے ان حقوق کی خلاف ورزی کرکے کوئی ریاست اسلامی ریاست کہلوانے کی مستحق نہیں، اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر موصوف نے نہایت عالمانہ بحث کی ہے۔

پروفیسر عبدالخالق صاحب کئی محاذوں پر سرگرم رہے ہیں، کندھ کوٹ میں دینی مدرسہ قائم کیا، جو عرصہ سے قائم ہے، گشتی شفاخانے کے ذریعہ ہزاروں مریضوں کے علاج کا انتظام کرتے رہے، اسی طرح غیر مسلموں میں کام کے لئے بھی انہوں نے ایک ادارہ قائم کیا، چونکہ ان کی سرگرمیوں کے دائرے مختلف ہیں، اس لئے موصوف کسی بھی ایک شعبہ میں کوئی نمایاں، پائدار اور دوررس کام کی بنیاد نہ رکھ سکے، ان کی ذہانت، صلاحیتوں اور منصوبہ بندی میں مہارت کو دیکھ کر موصوف سے کام کی غیر معمولی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہے۔

موصوف کا میرے ساتھ تعلق نہایت پرانا ہے۔ میں ۶۳۔۱۹۶۴ء میں شکارپور

میں مدرسہ دارالقرآن میں استاد قاری نثار احمد صاحب کے پاس قرآن شریف حفظ کررہا تھا، اس وقت موصوف استاد محترم سے ملاقات اور علمی مسائل پر تبادلہ خیال کے لئے آتے تھے، اس وقت سے موصوف کا چہرہ اور ان کی شخصیت میرے لئے مانوس رہی ہے۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں میں نے باقاعدہ ادارہ قائم کرکے، اس کے تحت کام کرنے کا پروگرام بنایا تو اس وقت میری نظر پروفیسر عبدالخالق صاحب اور پروفیسر عبداللطیف صاحب پر پڑی، اس سلسلے میں ان دونوں بزرگوں سے کئی نشستیں ہوئیں، لیکن چونکہ کندھ کوٹ، لاڑکانہ اور حیدرآباد کا فاصلہ دور تھا، اس لئے آخر میں طے ہوا کہ میں حیدرآباد میں مقامی دوستوں کے تعاون سے ادارہ قائم کرکے کام چلاؤں۔

پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب کو پاکستان میں بالخصوص سندھ میں اسلامی دعوت کے کام سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ اس کے لئے موصوف تدابیر سوچتے رہتے ہیں، غیر مسلموں میں دعوتی کام کے لئے وہ سکھر اور لاڑکانہ ڈویژن میں فکرمند دوستوں کی تفصیلی نشستیں کرچکے ہیں، اسی طرح پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے بھی مختلف اوقات میں قومی سطح پر جو علمبردار اٹھتے رہے ہیں، موصوف ان سے ذاتی رابطے رکھ کر، ان کی حوصلہ افزائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

اسکرین کا نشہ اور خاندانی و سماجی زندگی پر اس کے اثرات

آج کل جبکہ چھوٹے بچے، جوان، مرد اور عورتیں، سب کے سب سمارٹ فونز اور ٹیبلٹ اسکرین کے ساتھ چپکے نظر آتے ہیں اور ہر وقت موبائل میں انٹرنیٹ اور گیمز کھیلتے رہتے ہیں، جس نے باقاعدہ نشے کے شکل اختیار کی ہے۔ ماہرین نفسیات سے معلومات حاصل کرنے پر یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ والدین کی اکثریت تنہائی کا شکار ہیں، اور نو عمر لڑکے لڑکیاں اپنی خیالی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ حافظے کی کمزوری کی شکایات عام ہیں۔ ذہنی دباؤ، ڈپریشن اور خودکشیوں کے احوال سامنے آرہے ہیں۔ ہمارے ملک کے بحرانوں میں سے ایک عظیم بحران یہی ہے۔ زیر نظر مضمون اس بحران کے نفسیاتی، سماجی، روحانی، اخلاقی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(اسکرین نشہ: Screen Addiction)

ہوا یوں کہ گذشتہ دو دہائیوں سے ٹیکنالوجی میں ترقی ہوئی اور غیر محسوس انداز سے ہمارے غریب وطن کے گھر گھر اس کی رسائی ہوئی۔ ماہرین نے تو ٹیلی وژن کے بارے میں کہا تھا کہ یہ توانائی اور وقت ضائع کرنے کا آلہ ہے، لیکن ٹیلی وژن تو محدود پروگرام دکھاتی تھی، اب صورتحال یکسر مختلف ہے۔ اب "جام جمشید" کی طرح اسکرین میں پوری دنیا سمائی ہے۔

اسکرین کے نشے کے مارے تین گروہ ہیں:

(۱) ایک وہ جو ڈراموں اور فلموں کے شوقین ہیں اور انٹرٹینمنٹ کے نام پر روزانہ نئے نئے تماشے دیکھتے ہیں۔ اب تو پورے پورے سیزن سیریز ہیں جن کو سات آٹھ گھنٹوں میں راتوں رات دیکھا جاتا ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو ویڈیو گیمز کے شوقین ہوتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ کھیلنے والا خود جسمانی طور پر سب کر رہا ہے۔ اب تو آن لائن گیمز میں باقاعدہ گروپس بن جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ گیم میں زیادہ سکور حاصل کرنے کے چکر میں پیسے بھی خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ ایسے لڑکے کمرے میں اکیلے بیٹھ کر آن لائن ایک دوسرے کو پاگلوں کی طرح آوازیں نکالتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم وہ جو سوشل میڈیا فیس بک، واٹس ایپ وغیرہ کا بے تحاشا استعمال کرتے ہیں۔

ہر دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ٹچ موبائل ہے جس میں وہ منہمک رہتا ہے۔ اسی کو اسکرین کا نشہ کہتے ہیں۔ میڈیا اسکرین کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ انسانی سوچ و فکر بنانے کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ بالا حالات کے ذہنی و نفسیاتی اثرات:

(۱) کتب بینی میں عدم دلچسپی:

اعلیٰ تعلیمی اداروں کی بڑی بڑی لائبریریاں اکثر خالی پڑی رہتی ہیں۔ ہاتھ میں کتاب لئے پھرنا اور چارپائی کے سرہانے کتاب رکھنے کا رواج تقریباً ختم ہوگیا۔ لوگوں کا گمان یہ ہوتا ہے کہ ہم لیپ ٹاپ اور موبائل میں مطالعہ کرتے ہیں حالانکہ اسکرین میں دیکھنے سے جسمانی و ذہنی

بوجھ بڑھتا ہے۔ یادداشت کی کمزوری، عدم توجہ، گردن، کمر اور پٹھوں میں تکلیف عموماً یہی ہوتا ہے۔

(۲) جدید مغربی طرز زندگی

جو انسان دیکھے گا سنے گا وہی سوچے گا۔ انسان سوچ و فکر میں تبدیلیوں کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ اکیسویں صدی میں انتہائی سرعت سے مغربی سوچ و فکر کے یلغار سے نوجوانوں کی طرز زندگی میں بھی انقلاب آیا ہوا ہے۔ ہر لڑکا لڑکی نئے سمارٹ فون کے چکروں میں ہے اور چاہتے ہیں کہ خود بھی سمارٹ نظر آئیں۔ کالج یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے کئی طلبا کا جواب یہ تھا کہ امتحان میں اچھی کارگردگی کے علاوہ ہماری توجہ دوسروں کے لباس پر، تراش خراش پر، چال ڈھال پر ہوتی ہے۔ خود کو فلمی دنیا کا ہیرو سمجھتے ہوئے خیالی دنیا میں جیتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ میل جول، دوستیاں، ناجائز تعلقات معمول کی بات ہوتی ہے۔ فلمی دنیا کی چمک دمک، گلیمر، رنگینیاں تو حقیقت میں ہوتی نہیں، لہٰذا نوجوانوں کا یہ ٹولہ نفسیاتی بیمار ہو جاتا ہے۔ تمباکو نوشی، منشیات کا استعمال یہاں سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) والدین کی خدمت کے شعور کا فقدان

اسکرین سے انسان کو مقصد زندگی کبھی نہیں ملتا بلکہ یہ صرف نفسانی لذتوں کو بھڑکانے اور وقت گزاری کا آلہ ہے۔ انسانی رشتوں کی اہمیت کا ادراک کم ہو جاتا ہے۔ مادیت اور مصروفیت کے خود ساختہ جہال میں پھنس کر والدین کی خدمت کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں بھی باقاعدہ مادر ڈے، فادر ڈے، ٹیچر ڈے منانا شروع

ہو گئے ہیں۔ بڑے شہروں میں علاج معالجے اور خدمت کے نام پر باقاعدہ 'اولڈ ہومز' بن گئے ہیں اور کامیاب جا رہے ہیں۔

(۴) زیادہ سرمایہ کے چکر میں کئی کئی ملازمتیں یا وسیع کاروبار

وسائل کے حصول کیلئے ہر طرف ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، جس میں سب سرگرداں ہیں۔ جسکی وجہ سے خود غرضی پر مبنی کلچر وجود میں آیا ہوا ہے۔ ذاتی کامیابی کو سب چیزوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جن اوقات کو رشتہ داروں و متعلقین کیلئے صرف کرنا تھا وہ کاروبار اور ملازمتوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ حقیقی خوشی اگر آپ حاصل کرنا چاہیں تو چند کام کریں:

(۱) اپنی ذات سے ماورا ہو کر سوچ لیا کریں۔

(۲) دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ مت کریں۔

(۳) زیادہ دولت کے حصول کی تمنا چھوڑ دیں۔

(۵) آسائش پسندی کے لیے بیرون ممالک منتقلی:

بے روزگاری اور بے کار رہنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ کئی نوجوان جب گریجوشن کے دو تین سال بعد بے روزگاری کی شکایت کرنے آجاتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں ان دو تین سالوں میں آپ کیا کرتے آرہے ہیں۔ کہتے ہیں بس جی چھوٹا موٹا جاب تو کرتے ہیں لیکن پاکستان میں ۳۰ سال بھی کام کریں تو کچھ نہیں ہو گا۔ گویا سارے مزے تو ملک سے باہر ہیں۔

ذاتی تجربے و مشاہدے میں یہ بات آگئی کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان یورپ و دیگر ممالک منتقل ہونے کیلئے مستعد ہیں۔ جو لوگ پہلے سے منتقل ہو گئے ہیں، ان کے والدین تنہائی میں اولاد کی راہ تکتے تکتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بیرون ممالک جانے والے افراد اگر بیوی بچے چھوڑ کر جاتے ہیں تو نفسیاتی بیماریاں متعدد اور اگر سارے ساتھ لے جائیں تو دیگر مسائل بے شمار۔

(۶) مغربی اور جدید ذہن کی حامل خواتین سے نکاح:

جب بات آگے بڑھتی ہے تو ایسے لوگ مستقل شہریت کے لئے یا اپنی دانشوری کو بروئے کار لاتے ہوئے مغربی عورتوں یا جدید سوچ سے ہم آہنگ خواتین سے شادیاں کرتے ہیں اور پھر انہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یا ایک شادی یہاں دیس میں اور دوسری شادی پردیس میں کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی باقاعدہ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔

(۷) مذکورہ بالا حالات کے سماجی و روحانی اثرات

ا۔ خاندانی نظام کا خاتمہ:

مادی ترقی اور مغربی طرز فکر سے بنیادی دھچکا خاندانی نظام کو لگا ہے۔ باہمی روابط اور میل جول میں انحطاط پایا جاتا ہے۔ مغرب کی چکا چوند سے متاثر ہونے والے شاید اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہاں پر بوڑھے بوڑھیاں قید تنہائی میں پڑے پڑے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں معمر افراد بیمار پڑ جائیں تو وہ ہر آن ہر گھڑی بیٹے بیٹیوں حتی کہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے درمیان رہتے ہیں۔

۲۔ بڑوں سے ملنے والے تجربہ اور روایات کی پامالی:

بڑوں کے پاس سب سے قیمتی ذخیرہ تجربات و مشاہدات کا ہوتا ہے۔ ان سے استفادہ تب ہی ممکن ہے جب تک رابطہ برقرار رہے اور اسی سے روایات، ثقافت، تہذیب و تمدن میں ترقی ہوتی ہے۔

۳۔ بڑوں کی آخری زندگی کے دکھ اور آزمائشیں:

اولاد کی دوری کے باعث بڑوں کے لیے آخری دور میں کوئی سہارا نہیں رہتا، جس سے ان کی زندگی کے آخری لمحات دکھ اور آزمائشوں سے بھرپور ہوتے ہیں۔

۴۔ حکومتوں اور سوسائٹی پر اضافی بوجھ وغیرہ:

اولاد اور خاندان انسان کا فطری سہارا ہے جدید ڈیجیٹل زندگی نے انسان سے یہ سہارا چھین لیا ہے تو ظاہر ہے حکومت اور سوسائٹی کو سہارا بننے کے لیے کچھ کرنا ہوگا جس سے اس پر اضافی بوجھ پڑتا ہے، نیز اسکرین کے نشے نے جس مریضوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے یہ بھی حکومت و سوسائٹی پر مستقل بوجھ ہے۔

۵۔ عقائد میں بگاڑ اور فکری ارتداد:

اکثر نوجوان مذہب کو بھی انٹرنیٹ سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ انٹرنیٹ پر ہر باطل فرقے اور مسلک نے اپنی دکان کھولی ہے لہذا جب نوجوان دین کے معاملے میں مختلف باتیں سنتا ہے اور قسم قسم تبصرے دیکھتا ہے، تو شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر دین سے

متنفر ہو جاتا ہے۔ اس کا گمان ہوتا ہے کہ دین صرف اختلاف کا نام ہے، اس لئے مولویوں سے دور بھاگتا ہے اور گمراہی و ضلالت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

۶۔ بد نظری اور بے راہ روی

دورِ جدید کا نوجوان شاید بد نظری کی حقیقت سے بلکل واقف نہیں، فحش تصاویر، ویڈیوز نے تو وبائی شکل اختیار کی ہے اور اس سے بچنا محال ہوتا ہے۔ اسی وبا کے نتیجے میں اخلاقی و جنسی جرائم میں جو بے پناہ اضافہ ہوا ہے، اخبارات اس کے شاہد ہیں۔ نفسیاتی بیماریوں کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔

اسکرین کے نشہ سے نجات کیلئے مثال

یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ بل گیٹس کے بچوں کے حالات بالکل مختلف ہیں بل گیٹس کے نام سے اکثر لوگ واقف ہیں جو مائیکرو سوفٹ کارپوریشن ٹیکنالوجی اور سافٹ ویئر فراہم کرنے والی کمپنی کا بانی ہے، لیکن بل گیٹس نے اپنے گھر میں بچوں کے لئے چودہ (۱۴) سال کی عمر تک سمارٹ فونز اور دیگر چیزوں کے استعمال پر پابندی لگا دی ہے۔

اس بات کا انکشاف انہوں نے برطانوی اخبار 'دی میرر' کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ چونکہ ان کے بچے کم عمر تھے، اس لئے انہوں نے ڈیجیٹل اسکرین اڈیکشن (موبائل اور انٹرنیٹ کے استعمال نے آجکل جیسے کہ نشے کی شکل اختیار کی ہے) سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ رات کے کھانے ڈنر کے دوران بھی کسی کو موبائل فون کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی اور پھر رات کو سونے سے پہلے سے بھی استعمال

کو محدود کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں لہٰذا اسکرین دیکھنے کا وقت مقرر کردہ ختم ہوتے ہی بچے بڑے بروقت سو جاتے ہیں، جس سے مکمل آرام مل جاتا ہے۔

”آپ کو اس بات کا بے حد خیال رکھنا چاہئیے کہ کہاں کہاں موبائل کا استعمال ضروری ہے جیسے دوست احباب سے رابطہ یا ہوم ورک مکمل کرنے میں مدد حاصل کرنا اور کہاں کہاں اس کا استعمال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ کھانے کی میز پر ہمارے پاس موبائل نہیں ہوتے، چودہ سال کی عمر تک کسی بچے کو موبائل نہیں دیا جاتا، حالانکہ یہی بچے دوسرے بچوں کی شکایت کرتے ہیں کہ اُن کو تو ملا ہوا ہے ہمیں کیوں نہیں۔“

یہ بل گیٹس کے انٹرویو کے چیدہ چیدہ اقتباسات تھے، اس میں سارے والدین کے لئے ایک زبردست پیغام ہے کہ کم عمر بچوں کو موبائل سے بچایا جائے اور زیادہ عمر والے بچوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ اول تو وہ اس کے مضرات سے محفوظ ہوں اور ثانیا یہ کہ استعمال کے اوقات مقرر کئے جائیں۔

بچوں کی نفسیات سمجھنا ضروری: والدین کیلئے

سوال یہ ہے کہ ہر جگہ نوعمروں کی بغاوت صدائیں کیوں اٹھتی ہیں؟

تو قصور صرف نوجوانوں کا نہیں بلکہ چند اہم ذمہ داریاں والدین پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ ماں کی گود بچے کی ابتدائی درسگاہ ہے۔ یہ بات بجا ہے لیکن اس سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہے وہ یہ رحم مادر میں بچے کو جیسی غذا مل رہی ہے اور والدین کی سوچ و فکر، دونوں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ نشو نمائی محققین و ماہرین نفسیات نے بیان کیا ہے کہ اگر ماں

باپ تمباکو نوشی کرتے ہیں یا منشیات، دوائیوں، کیفین، الکحل (شراب)، نیکوٹین، کوکین، ہیروئن وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں تو انکے نوزائیدہ بچے جسمانی وذہنی عوارض میں مبتلا ہوں گے۔ اسی طرح اگر حاملہ ماں شدید ذہنی دباؤ، غم وصدمے کا شکار ہو تو بچے کی نشو نما شدید متاثر ہوگی اور اس بچے پر دور رس منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بحیثیت مسلمان ماں باپ کیلئے حلال وحرام کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس میں بے احتیاطی سے روحانی واخلاقی اثرات مرتب ہوں گے۔ لہٰذا اسی مرحلے میں ماں کو صرف طبّی معالج کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ذہنی، نفسیاتی وروحانی سہارے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

پیدائش کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے بچے اور والدین کے مابین ایک مضبوط جسمانی جذباتی تعلق۔ یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ یہ بانڈ تو سب والدین اور بچوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ تو بات اتنی آسان نہیں۔ اس لئے کہ ماں باپ بچے صرف خوراک، کھانے پینے اور لباس کی ضروریات کی تکمیل کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اکثر اسکو بچے پر احسان مانتے ہیں جبکہ بچوں کی نفسیاتی وذہنی ضروریات کو کوئی جانتا تک بھی نہیں، عمل کیا کرے گا۔ بچوں کا چیخنا چلانا، ہنسنا مسکرانا، چمٹنا سب کچھ بڑوں کی توجہ حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

ماں کی ذمہ داری صرف دودھ پلانا نہیں اور باپ کا کام صرف بچوں کیلئے کمانا نہیں، بلکہ بچوں کی تعمیر شخصیت بنیادی فریضہ ہے۔ بہر حال بانڈنگ / تعلق کیوجہ سے بچہ لاشعوری طور پر سمجھ لیتا ہے کہ دنیا رہنے کیلئے بہترین جگہ ہے، اسے تحفظ کا احساس ہوتا ہے، یہ اعتماد

ویقین اسے صرف خوراک کی فراہمی کیوجہ سے نہیں بلکہ اپنے والدین اور بڑوں کے رویوں سے حاصل ہوتا ہے۔

یہی انسانی فطرت کا تقاضا ہے بلکہ اکثر حیوان بھی نوزائیدہ بچوں کو قریب رکھتے ہیں، اس پر کئی سائنسی تجربات ہو چکے ہیں۔ لہذا بچوں کو اپنے آپ سے قریب رکھنا چاہیے۔ جو بچہ والدین کے پیار ومحبت سے محروم ہو اس کی شخصیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تیسرے مرحلے میں بچوں میں آزادی وخود مختاری کا احساس پیدا ہوتا ہے، ماحول سے بہت کچھ سیکھنے لگ جاتے ہیں، اپنا خیال خود رکھنا، کھانا کھالینا، باتیں سیکھ لینا ہر کام خود کرنا چاہتے ہیں اپنی مرضی چلاتے ہیں۔

اس احساس کے پیدا ہونے کی وجہ ذہنی وجسمانی صلاحیتوں میں ترقی کا ہونا ہے۔ اس دوران بچے چلنے پھرنے، بھاگنے دوڑنے، اچھلنے کودنے کے قابل ہو کر ہر کام خود سر انجام دینا چاہتے ہیں اور اسی میں خوشی وفخر محسوس کرتے ہیں۔ لہذا والدین کو اسی جذبہ کو سمجھ کر بچوں کو ان کاموں کی اجازت دینی چاہئیے جو بچے کرنے کے قابل ہیں۔ اسی سے ان کو اپنے اعصاب پر قابو حاصل ہوگا۔ لیکن اگر والدین صبر وبرداشت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ کام خود کرنے لگیں جو انکے بچے کر سکتے ہیں تو اس عمل سے بچوں میں احساس شرم وندامت اور شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں۔ یہ تب بھی ہوتا ہے جب والدین بچوں کی حفاظت میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ بچوں پر والدین کی بے جا روک ٹوک اور بے جا غصے کی بنا پر یا بچوں کے ہاتھ سے ہونے والے حادثات کو سخت تنقید کا نشانہ بنانا مثلاً کوئی گھریلو چیز کیوں توڑ دی۔ پانی یا مٹی سے

کمرہ کیوں خراب کیا وغیرہ۔ اس قسم شدید رد عمل سے بچے کی ذہنی نشو نما متاثر ہو جاتی ہے اور اپنی صلاحیتوں پر اسے شدید ندامت اور شک کا احساس ہونے لگ جاتا ہے۔

والدین، خاندان، معاشرہ، تہذیب وثقافت بچوں کی تعلیم وتربیت میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندان ایک ادارہ ہے اور تربیت اولاد ایک مستقل شعبہ ہے، لہذا والدین کا طرز عمل ایسا ہو کہ بچوں کی علم و عمل سہارا بنے اور اس میں نکھار پیدا ہو۔ تین سال کی عمر میں بچوں کی دلچسپی کھیل کھود اور سماجی تعلقات میں مزید بڑھتی ہے۔ بچے اپنے جذبات واحساسات کو قابو کرنا سیکھتے ہیں تاکہ والدین کے متعین کردہ حدود سے تجاوز نہ کرلیں۔ لہذا یہ مرحلہ اچھے برے کی تمیز کے ساتھ متعلق ہے گویا اخلاقیات کی بنیاد یہاں پر قائم ہوتی ہے سو والدین کی ذمہ داری مزید بڑھتی ہے۔

جیسے جیسے بچوں کو اپنی ذات کا احساس، ادراک اور عرفان حاصل ہوتا ہے، زندگی میں ان کی دلچسپی بڑھتی ہے ہر کام میں پہل کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں بے پناہ توانائی ہوتی ہے، ناکامیوں کو جلد بھول جاتے ہیں۔ اور تمام تر صلاحیتوں کی بروئے کار لاتے ہیں۔

بچوں کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی سے وہ پڑھائی لکھائی میں اور سماجی معاملات میں بہتر محسوس کرتے ہیں، وہ دوسروں کی نسبت زیادہ خوش وخرم رہتے ہیں، زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، تاہم جو بچے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ پڑھائی میں دلچسپی کھو بیٹھتے ہیں، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، میل جول سے کتراتے ہیں، اور کھیل کھود میں بھی دلچسپی نہیں لیتے۔

بعض جدید والدین اپنے کاروبار وروزگار میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ''چائلڈ کیئر'' اداروں میں داخل کر کے تربیت کیلئے انکے حوالے کر دیتے ہیں اب اس کے اثرات بچوں اور والدین کے تعلق/بانڈنگ پر کیا پڑیں گے؟ اس کا جواب تو وہی والدین ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ تاہم امریکہ میں ہونے والی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بچوں میں جذباتی ونفسیاتی مسائل پائے گئے۔ والدین کو تلقین کی جاتی ہے کہ اپنے 'پیرنٹنگ' کے معیار کو اونچا رکھیں اور اس بچوں کی نگہداشت میں کوئی کمی نہ آنے دیں۔

چند باتوں پر عمل مفید ثابت ہو سکتا ہے:

(۱) کھانے کے اوقات مقرر کئے جائیں اور سب مل کر ایک میز یا دستر خوان پر کھائیں۔

(۲) صحتمند اور متوازن غذا کا استعمال کیا جائے۔

(۳) کھانے کے اوقات کو خوشگوار اور پر لطف بنایا جائے تاکہ دلچسپی کا سبب بنے۔

(۴) کھانے کے آداب مقرر ہو۔

(۵) کوئی توجہ خراب کرنے والی چیز نہ ہو مثلاً ٹی وی یا موبائل وغیرہ۔

(۶) بحث مباحثہ، مقابلہ آرائی سے مکمل احتراز کیا جائے۔

(۷) روزانہ ورزش کے اوقات لازمی مقرر کئے جائیں ایک گھنٹے سے دو گھنٹے تک۔

(۸) بعض بچے کھیل کے میدان میں جا کر تماشہ بین ہو کر بیٹھ جاتے ہیں لہذا ایسے بچوں کی حوصلہ افزائی کر کے انکو کھیل کود میں شامل کرنا چاہیئے۔

(۹) والدین کو خود بھی بچوں کے ساتھ میدان میں اترنا چاہیئے، اس سے بچوں میں توانائی آجاتی ہے۔

بچوں کو تعلیم کیلئے کونسے اسکول بھیجا جائے ایک اہم سوال ہے۔ بچوں کی جسمانی، ذہنی ونفسیاتی بالیدگی اور شخصیت سازی میں اسکول کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

kindergarten : اور Montessori

یورپ کے دو اسکولنگ سسٹم بہت مشہور ہیں جہاں بچوں کی روک ٹوک نہیں ہوتی اور ایسا ماحول مہیا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خود فیصلے کرنے کے قابل ہوں۔ گوگل سرچ انجن کے بانی شخصیات نے اپنی کامیابی میں اس تعلیمی نظام کی تعریف کی ہے۔ تاہم دوسرے ماہرین دیگر عوامل کی بنیاد پر اس تعلیمی نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہو۔(home schooling) والدین خود پڑھائیں نہ کہ اسکول۔

Parenting Styles

بہترین 'پیرنٹنگ' کوئی آسان کام نہیں بلکہ ایک وقت طلب اور مشقت طلب عمل ہے۔ اور یہ کوئی مشینی یا کمپیوٹرائز کام بھی نہیں اور نہ ہی اسے کسی سی ڈی یا سافٹ ویئر سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ چند منٹوں یا گھنٹوں کا کام نہیں، اس میں وقت کی مقدار سے زیادہ وقت کو کوالٹی درکار ہوتی ہے۔

عمومی طور پر بچے عادات واطوار کو مشاہدات کے ذریعے سیکھتے ہیں۔ بڑے ان کے لئے رول ماڈل ہوتے ہیں۔ جیسا بڑے کرتے ہیں ویسا چھوٹے کرتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ اور گفتار

سے کام نہیں چلتا، یہاں بات کردار کی ہوتی ہے۔ جس فعل پر بچے کو بدلہ یا انعام ملتا ہے، وہ پختہ ہو جاتا ہے اور جس عمل پر اسے سزا ملتی ہے وہ عمل کمزور ہو جاتا ہے۔

بچوں کی تربیت کے حوالے سے والدین کی تین قسمیں ہیں:

(۱) آزاد خیال والدین (Permissive parents)

یہ والدین تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور بچوں کے معاملے میں لاپرواہ ہوتے ہیں۔ ایسے والدین جن کے قواعد وضوابط ناجائز و نامناسب حرکات پر بچوں کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے۔ ان کے بچوں کو آزادی ہوتی ہے چاہے وہ شرارتیں کریں، بری عادتیں سیکھیں یا ٹی وی دیکھتے رہیں۔ حتی کے فلموں، ڈراموں اور کارٹون دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ گویا تربیت اولاد کے بجائے دیگر کام کاج والدین کے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے بچے اچھے اخلاق، عادات واطوار نہیں اپناتے بلکہ خود سر بن جاتے ہیں۔ اپنے قابو سے باہر ہوتے ہیں، معاشرے میں منفی کردار ادا کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے انتہا پر آمرانہ والدین (Authoritarian Parents)

یہ وہ والدین ہوتے ہیں جن کے قواعد وضوابط بہت سخت ہوتے ہیں اور خلاف ورزی کی صورت میں مار پیٹ اور سزا دیتے رہتے ہیں۔ ان کے قواعد وضوابط کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ ''جیسا میں کہوں ویسا کرنا پڑے گا'' ایسے والدین کے بچوں کے جذبات مجروح ہو جاتے ہیں، ان کی عزت نفس گر جاتی ہی۔ ایسے والدین فیصلے جاری کرتے ہیں لیکن وجوہات کی وضاحت نہیں کرتے۔ یہ بچے عموماً خوفزدہ، اداس وپریشان رہتے ہیں۔ زندگی میں کوئی عملی قوم نہیں اٹھا سکتے، ان کی ''کمیونیکیشن اسکلز'' کمزور ہوتی ہے، لوگوں

سے کھینچے کھینچے رہتے ہیں۔ اسی طرح ان کی شخصیت پر کئی ایک منفی اثرات آتے ہیں۔ اور اکثر یہی بچے بڑے ہو کر باغی ہو کر جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔

(۳) Authoritative Parenting (The Best Approach)

بچوں کی پرورش اور تربیت میں یہ والدین مہربان، شفیق اور نرم دل ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود مناسب رویے پر بہت توجہ دیتے ہیں۔ وہ متعین کردہ حدود کے اندر بچوں کے آزادی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ وہ آزادی اور سختی کے مابین توازن برقرار رکھتے ہیں۔ مثلاً غلطی کی صورت میں بچے کو پیار سے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہتے ہیں: جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئیے تھا آؤ بات کرتے ہیں کہ آپ آئندہ ایسی صورتحال کا کیسے سامنا کریں گے۔ لہٰذا بچے اچھی عادات اپناتے ہیں، خوش رہتے ہیں، نفس پر قابو رکھنے والے، خود اعتماد، زندگی اہداف کے تحت گزارنے والے ہوتے ہیں، پڑھائی میں کارکردگی بہتر ہوتی ہے اور معاشرے میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ سماجی تعلقات نبھاتے ہیں اور دباؤ کا مقابلہ باآسانی کر سکتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی حقیقت

قرآن حکیم کی روشنی میں

حالیہ تنازع میں اسرائیل غزہ میں فلسطینی آبادیوں، ہسپتالوں، اسکولوں اور کیمپوں پر انتہائی وحشیانہ انداز میں بمباری کر رہا ہے۔ زیر حراست افراد کو قتل کرنے کے بعد ان کے جسمانی اعضاء کو چوری کر رہا ہے۔ دنیا کے مسلمہ جنگی قوانین کی انتہائی بے شرمی سے خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس ننگی جارحیت پر دنیا کا نام نہاد امام امریکہ نہ صرف اسرائیل کے خلاف ہر طرح کی قرارداد کو ویٹو کر رہا ہے بلکہ اب تک اسرائیل کو اسلحہ سے بھرے سینکڑوں جہاز، مالی امداد اور جنگی ماہرین بھی مسلسل فراہم کر رہا ہے۔ امریکی صدر نے ہنگامی بنیادوں پر اسرائیل کو مزید اسلحے کی فروخت کی منظوری دی جس کی بنیاد پر صہیونی وزیر اعظم نیتن یاہو نے غزہ پر یک طرفہ جارحیت کئی مہینوں تک جاری رکھنے کا اعلان کیا۔

اس پس منظر میں قرآن حکیم کی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں ربّ کائنات نے مسلمانوں کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ کی حقیقت ۱۴ صدیوں پہلے ہی کھول کر واضح کر دی ہے۔

مسلمانوں کی دشمنی میں سرفہرست

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۔(سورة المائدۃ: آیت ۸۲)

"تم ضرور بالضرور پاؤ گے لوگوں میں اہل ایمان کا سب سے سخت دشمن یہود کو اور مشرکین کو۔"

۱۹۴۷ء سے کشمیریوں پر بھارت کے ظلم و ستم کے پہاڑ اور لاکھوں کشمیریوں کی شہادت جبکہ ۱۹۴۸ء سے فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم کی داستان اس آیت کی صداقت کے لیے کافی ہیں۔ کشمیریوں کی نسل کشی اور جبری انخلاء کے لیے بھارت اسرائیل سے نہ صرف تربیت لیتا ہے بلکہ اس کے مہیا کیے ہوئے ہتھیار بھی استعمال کرتا ہے۔

یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کبھی راضی نہیں ہوں گے

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۰)

"اور ہرگز نہیں تم (مسلمانوں) سے راضی ہوں گے یہود و نصاریٰ یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔"

اس آیت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان دنیا کے حکمرانوں نے یہود و نصاریٰ بالخصوص امریکہ کو خوش کرنے کے لیے ہر وہ کام کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کرنے والا ہے۔ تازہ ترین مثال چند عرب حکمرانوں کا اسرائیل کو باضابطہ تسلیم کرنا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ان کی خوشنودی حاصل نہ کر سکے۔

غیر یہود سے متعلق یہود کا عقیدہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ آل عمران آیت ۷۵)

"اور ان (اہل کتاب) میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت کے طور پر رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے جب تک تم ان کے سر پر نہ کھڑے رہو۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر امیوں (غیر یہود) کے معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کرتے ہیں۔"

اس آیت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہود دنیا کی بقیہ اقوام کو Gentiles یعنی انسان نما حیوان کہتے ہیں، اسی لیے دنیا کی دیگر اقوام بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک اس عقیدہ کا اظہار ہے۔ یہودی ایک دوسرے کے ساتھ سودی لین دین نہیں کرتے جبکہ پوری دنیا کو انہوں نے سود کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ نیز آج اسرائیل جس بہیمیت کے ساتھ ہسپتالوں، اسکولوں اور مہاجر کیمپوں پر بمباری کر رہا ہے اس سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو انسان کا درجہ نہیں دیتے۔ اپنے ایک یہودی کو دشمن کی قید سے رہا کرانے کے لیے سینکڑوں فلسطینیوں کو آزاد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے عزائم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ۔
(سورۃ آل عمران آیت ۱۰۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں گے۔"

دنیا بھر میں عیسائی مشنریز دنیوی ساز و سامان کا لالچ دے کر یہی فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں انہیں بھرپور مالی معاونت فراہم کر رہی ہیں۔ نیز قادیانی فتنہ بھی انگریز کے زمانے میں اسی کی سرپرستی میں پروان چڑھا اور آج بھی یہود و نصاریٰ کی بھرپور مدد ہی سے برگ و بار لا رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی حقیقت

سورہ آل عمران میں اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ (سورۃ آل عمران آیت - ۱۱۲)

”وہ (یہود و نصاریٰ) تمہیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے ستانے کے۔ اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے، پھر ان کو مدد بھی نہیں ملے گی۔ ان کے اوپر ذلت مسلط کر دی گئی ہے جہاں بھی یہ پائے جائیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں یا مسلمانوں کی، اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں اور محتاجی ان پر مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ اور اس لیے کہ وہ نافرمان اور سرکش تھے۔“

یہود کی پوری تاریخ اس بزدلی سے بھری ہوئی ہے جو مندرجہ بالا آیات میں بیان کی گئی ہے۔ یہودی بنیادی طور پر ایک بزدل قوم ہے اور یہ بزدلی ان میں دنیا پرستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ حالیہ جنگ میں اسرائیل نے پہلے کئی دنوں تک ہر ممکن کوشش کی کہ فضا سے اتنے بم برسائے جائیں کہ جب ان کی افواج زمینی آپریشن کے لیے داخل ہوں تو کم سے کم مزاحمت ہو اور دوبدو جنگ کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہودی و نصاریٰ کے دلوں میں بغض

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (سورۃ آل عمران آیت - ۱۱۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کسی غیر کو اپنا راز دار نہ بنانا، یہ لوگ تمہاری خرابی (فتنہ

انگیزی) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو کچھ (کینے) ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔“

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڮ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (سورۃ آل عمران آیت - ۱۱۹)

”جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں غصے سے۔ کہہ دیجیے کہ تم اپنے غصے میں مر جاؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کو خوب جاننے والا ہے۔“

ان آیات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے سینے مسلمانوں کی نفرت سے لبریز ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں افغانستان اور عراق میں لاکھوں مسلمانوں کو جھوٹا بہانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ مشرق وسطیٰ بالخصوص شام میں اسرائیل کی درپردہ سازشوں اور امریکہ کی کھلی مداخلت سے لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اب فلسطین میں امریکی اسلحے کی مدد سے اسرائیل ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے شہید کر چکا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی حقیقت

مسلمانوں سے حسد

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورۃ آل عمران آیت - ۱۲۰)

”(مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بُری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔“

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم پاکستان کا جائزہ لیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جب سے یہ ملک وجود میں آیا ہے امریکہ اور اس کے حواریوں نے اسے مستحکم نہیں ہونے دیا۔ کٹھ پتلی حکمرانوں کے ذریعے اسے اپنے شکنجے میں کس لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وطن عزیز ہر لحاظ سے انتہائی دگرگوں حالت میں ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ

اولیاء کا دلچسپ مناظرہ

حضرت سیدنا بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ایک دن میں کسی سفر میں اپنی خلوت و راحت سے لطف پا رہا تھا۔ غور و فکر میں مشغول اور یادِ الٰہی عزوجل سے مانوس تھا کہ اچانک میرے دل میں ندا دی گئی۔

"اے ابویزید! سمعان کے گرجا گھر جاؤ اور راہبوں کے ساتھ اُن کی عید اور قربانی میں شرکت کرو۔ اس میں ایک عظیم خبر اور اہم معاملہ ہے۔"

فرماتے ہیں: میں نے اس خیال سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کی اور کہا میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔ رات ہوئی تو خواب میں ہاتفِ غیبی کی آواز آئی۔ اس نے وہی بات دہرائی۔ میں ہانپتے کانپتے بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھا اور ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ دل میں پھر ندا آئی:

"تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

آپ فرماتے ہیں "میں صبح سویرے اٹھا اور حکم کی بجاآوری میں جلدی کی اور سمعان کے گرجا گھر پہنچ گیا۔ ان کا بڑا پادری آیا تو تمام راہب اکٹھے ہو گئے اور اس کو سننے کے لئے سب نے کان لگا دیئے، لیکن اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور وہ کوئی بات نہ کر سکا گویا اس کے منہ میں لگام دے دی گئی ہو۔ یہ کیفیت دیکھ کر پادریوں اور راہبوں نے اس سے پوچھا "اے سردار! کون سی چیز آپ کی گفتگو میں مانع ہے؟ ہم تو آپ کی باتوں سے ہدایت پاتے اور آپ کے علم کی پیروی کرتے ہیں۔" اس نے جواب دیا "مجھے یہ چیز گفتگو سے مانع ہے کہ آج تمہارے درمیان کوئی محمدی بیٹھا ہے اور وہ تمہارے دین کا امتحان لینے اور تم پر حملہ کرنے آیا ہے۔" انہوں نے کہا: ہمیں دکھادیں، ہم اسے ابھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس نے کہا "اسے دلیل و برہان کے ساتھ قتل کرو، میں اس سے امتحان لینا چاہتا ہوں، اس سے علم الادیان (یعنی دینوں کے علم) کے متعلق سوالات کروں گا، اگر اس نے صاف صاف جوابات دے دیئے، تو

ہم اسے کچھ نہ کہیں گے اور اگر وضاحت نہ کر سکا تو اسے قتل کر دیں گے۔ امتحان کے وقت ہی آدمی عزت پاتا یا ذلیل ہوتا ہے۔" سب طلبہ بولے: آپ جو چاہتے ہیں کریں، ہم یہاں مفید باتیں سیکھنے کے لئے ہی حاضر ہوئے ہیں۔

اب ان کا بڑا سردار کھڑا ہوا اور زور سے آواز دی "اے محمدی! تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا واسطہ! جہاں بھی ہے کھڑا ہو جا تا کہ سب تجھے دیکھ لیں۔"

حضرت سید بایزید بسطامیؒ اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی زبان پر حمد و ثنا اور ذکر الٰہی جاری تھا۔ پادریوں کے سردار نے کہا "اے محمدی! میں تجھ سے کچھ سوالات کروں گا اور سن! اگر تو نے ان کے جوابات وضاحت کے ساتھ دے دیئے تو ہم تیری پیروی کریں گے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے۔"

حضرت سید ابو یزید بسطامی نے ارشاد فرمایا "نقلی و عقلی علوم میں سے جو چاہو پوچھو، اللہ عزوجل ہماری گفتگو کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔" بڑے پادری نے پوچھا:

(۱) مجھے اُس ایک کے متعلق بتاؤ جس کا دوسرا نہیں۔ (۲) ان دو کے متعلق بتاؤ جن کا تیسرا نہیں۔ (۳) ان تین کے متعلق بتاؤ جن کا چوتھا نہیں۔ (۴) ان چار کے متعلق بتاؤ جن کا پانچواں نہیں۔ (۵) ان پانچ کے متعلق بتاؤ جن کا چھٹا نہیں۔ (۶) ان چھ کے متعلق بتاؤ جن کا ساتواں نہیں۔ (۷) ان سات کے متعلق بتاؤ جن کا آٹھواں نہیں (۸) ان آٹھ کے متعلق بتاؤ جن کا نواں نہیں۔ (۹) ان نو کے متعلق بتاؤ جن کا دسواں نہیں۔ (۱۰) عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (یعنی مکمل دس دن) سے مراد کون سے دن ہیں؟ (۱۱) ان گیارہ کے متعلق بتاؤ جن کا بارہواں نہیں (۱۲) ان بارہ کے متعلق بتاؤ جن کا تیرہواں نہیں۔ (۱۳) ان تیرہ کے متعلق بتاؤ جن کا چودہواں نہیں۔ (۱۴) ایسی قوم کے متعلق بتاؤ جنہوں نے جھوٹ بولا پھر جنت میں داخل کر دیئے گئے۔ (۱۵) اس قوم کے متعلق بتاؤ جنہوں نے سچ بولا مگر آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ (۱۶) تمہارے جسم میں تمہارے نام کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ (۱۷) وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا

(۱۸) فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا (۱۹) فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا اور (۲۰) فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (سورۃ الذاریات ۱۔۴) سے کیا مراد ہے؟ (۲۱) کون سی شے بغیر روح کے سانس لیتی ہے؟ (۲۲) ان چودہ کے متعلق بتاؤ جنہوں نے ربّ العٰلمین جل جلالہ سے کلام کیا؟ (۲۳) کون سی قبر صاحب قبر کو لے کر چلی؟ (۲۴) وہ کون سا پانی ہے جو آسمان سے اترا نہ زمین سے نکلا؟ (۲۵) ان چار کے نام بتاؤ جو باپ کی پشت سے پیدا ہوئے نہ ماں کے بطن سے؟ (۲۶) زمین پر سب سے پہلا خون کس کا بہایا گیا؟ (۲۷) اس شے کے متعلق بتاؤ جسے اللہ عزوجل نے پیدا کیا اور پھر خود ہی خرید لیا؟ (۲۸) ایسی شے کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا اور خود ہی ناپسند فرمایا؟ (۲۹) اس چیز کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا اور عظمت بھی بخشی؟ (۳۰) اس چیز کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ عزجل نے پیدا کیا اور پھر خود ہی اس کے متعلق سوال کیا؟ (۳۱) سب سے افضل عورتیں کون ہیں؟ (۳۲) سب سے افضل دریا کون سے ہیں؟ (۳۳) افضل ترین پہاڑ کون سا ہے؟ (۳۴) سب سے افضل چوپایہ کون سا ہے؟ (۳۵) افضل ترین مہینہ کون سا ہے؟ (۳۶) سب سے افضل رات کون سی ہے؟ (۳۷) العامتہ سے کیا مراد ہے؟ (۳۸) وہ کون سا درخت ہے جس کی بارہ شاخیں ہیں ہر شاخ پر تیس پتے ہیں اور ہر پتے میں پانچ رنگ ہیں، دو سورج کی روشنی میں اور تین سائے میں؟ (۳۹) وہ کون سی چیز ہے جس نے بیت الحرام کا حج کیا اور طواف کیا حالانکہ اس میں روح نہیں اور نہ ہی اس پر حج فرض تھا؟ (۴۰) اللہ عزوجل نے کتنے نبی پیدا فرمائے؟ (۴۱) ان میں سے کتنے مرسل اور کتنے غیر مرسل ہیں؟ (۴۲) وہ کون سی چار چیزیں ہیں جن کا رنگ اور ذائقہ مختلف ہے مگر اصل ایک ہے؟ (۴۳) نقیر کیا ہے؟ (۴۴) قطمیر کیا ہے؟ (۴۵) قبیل کیا ہے؟ (۴۶) السبد کیا ہے؟ (۴۷) اللبد کیا ہے؟ (۴۸) الطلم کیا ہے؟ (۴۹) اکرم کیا ہے؟ (۵۰) کتا بھونکنے میں کیا کہتا ہے؟ (۵۱) گدھا رینکنے میں کیا کہتا ہے؟ (۵۲) بیل ڈکرانے میں کیا کہتا ہے؟ (۵۳) گھوڑا ہنہنانے میں کیا کہتا ہے؟ (۵۴) اونٹ بلبلانے میں کیا کہتا ہے؟ (۵۵) مور اپنی چیخ و پکار میں کیا

کہتا ہے؟ (۵۶) تیتر اپنی سیٹی میں کیا کہتا ہے؟ (۵۷) بلبل اپنے نغموں میں کیا کہتا ہے؟ (۵۸) مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے؟ (۵۹) ناقوس (نصاریٰ کا گھنٹہ ہے جسے وہ اپنی عبادت کے وقت بجاتے ہیں) اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟ (۶۰) ایسی مخلوق کے متعلق بتاؤ جنہیں اللہ عزوجل نے الہام فرمایا وہ جنوں میں سے ہے، نہ انسانوں میں سے اور نہ ہی فرشتوں میں سے؟ (۶۱) جب دن نکلتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے؟ (۶۲) جب رات چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟

حضرت سیدنا ابویزید بسطامی نے پوچھا ''کیا ان کے علاوہ بھی کوئی سوال ہے؟''

تو سب پادریوں نے کہا: نہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا ''اگر میں نے ان کے جوابات صحیح طور پر دے دیئے تو کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے؟'' سب نے کہا: جی ہاں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی ''یا اللہ عزوجل! تو ان کی باتوں پر گواہ ہے۔'' پھر فرمایا ''اب اپنے سوالات کے جوابات سنتے جاؤ۔''

(۱) وہ ایک جس کا دوسرا نہیں تو وہ اللہ واحد قہار ہے (۲) وہ دو جن کا تیسرا نہیں تو وہ دن اور رات ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے (سورۃ بنی اسرائیل۔۱۲) ترجمہ: اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا'' (۳) وہ تین جن کا چوتھا نہیں تو وہ عرش، کرسی اور قلم ہیں۔ (۴) وہ چار جن کا پانچواں نہیں تو وہ آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک ہیں۔ (۵) وہ پانچ جن کا چھٹا نہیں تو وہ پانچ نمازیں ہیں جو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں۔ (۶) وہ چھ جن کا ساتواں نہیں تو وہ چھ دن ہیں۔ اللہ عزوجل ان کا ذکر قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورۃ ق۔۳۸) ترجمہ: اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا۔ (۷) وہ سات جن کا آٹھواں نہیں تو وہ سات آسمان ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے: (سورۃ الملک۔۳) ترجمہ: سات آسمان ایک کے اوپر

دوسرا۔ (۸) وہ آٹھ جن کا نواں نہیں تو وہ عرش اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: (سورۃ الحاقۃ۔۱۷) ترجمہ: اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ (۹) وہ نو جن کا دسواں نہیں تو وہ نو فراد کی جماعت تھی جو فساد برپا کرنے والے تھے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: (سورۃ النمل۔۴۸) ترجمہ: اور (قوم ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے کہ زمین میں فساد کرتے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ (۱۰) (یعنی مکمل دس دن) سے مراد وہ دس دن ہیں جن میں حج تمتع کرنے والا ہدی کا جانور نہ پانے کی صورت میں روزے رکھتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ البقرہ۔۱۹۶) ترجمہ: تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے (۱۱) وہ گیارہ جن کا بارہواں نہیں تو وہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ یوسف۔۴) ترجمہ: میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے دیکھے۔ (۱۲) وہ بارہ جن کا تیرہواں نہیں تو وہ مہینوں کی تعداد ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ التوبتہ۔۳۶) ترجمہ: بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں۔ (۱۳) وہ تیرہ جن کا چودہواں نہیں تو وہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا خواب ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ یوسف۔۴) ترجمہ: میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔ (۱۴) وہ قوم جنہوں نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں داخل کر دیئے گئے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ یوسف۔۱۷) ترجمہ: بولے اے ہمارے باپ! ہم لوگ دوڑ میں مقابلہ کرنے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔'' انہوں نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں داخل کر دیئے گئے۔ (۱۵) وہ قوم جنہوں نے سچ بولا لیکن جہنم میں داخل کر دیئے گئے تو وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور وہ ان کا یہ قول ہے: (سورۃ البقرہ۔۱۱۳) ترجمہ: اور

یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں۔ انہوں نے سچ کہا لیکن جہنم میں داخل کردیئے گئے۔(۱۶) تمہارے جسم میں تمہارے نام کا ٹھکانہ کان ہیں (یعنی کوئی نام بولا جاتا ہے تو کان ہی سنتے ہیں)۔(۱۷) (یعنی اُڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قسم) سے مراد چار ہوائیں ہیں۔(۱۸) (یعنی بارِ گراں اٹھانے والی بدلیوں کی قسم) سے مراد بادل ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ البقرہ۔۱۶۴) ترجمہ: اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا پابند ہے۔(۱۹) (یعنی نرم چلنے والیاں) سے مراد دریا میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔ (۲۰) (پھر کام کو تقسیم کرنے والے) سے مراد ملائکہ ہیں جو لوگوں کا رزق پندرہ شعبان سے دوسرے سال پندرہ شعبان تک تقسیم کرتے ہیں۔(۲۱) جن چودہ نے رب العالمین سے کلام کیا تو وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ حم السجدہ۔۱۱) ترجمہ: تو اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے، دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔(۲۲) وہ قبر جو صاحب قبر کو ساتھ لے کر چلی تو وہ حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے۔(۲۳) جو چیز بلا روح ہے مگر سانس لیتی ہے تو وہ صبح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ التکویر۔۱۸) ترجمہ: اور صبح کی قسم جب دم لے۔(۲۴) وہ پانی جو آسمان سے اُترا نہ زمین سے نکلا تو وہ گھوڑوں کا پسینہ ہے جس کو شیشے کی بوتل میں بھر کر ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو بھیجا تھا۔(۲۵) وہ چار نفوس جو باپ کی پشت سے پیدا ہوئے نہ ماں کے بطن سے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہیں۔(۲۶) زمین پر سب سے پہلا خون ہابیل کا بہایا گیا جب قابیل نے اسے قتل کیا۔ (۲۷) ایسی چیز جس کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا پھر خرید لیا تو وہ مومن کی جان ہے۔ جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ التوبۃ۔۱۱۱) ترجمہ: بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔(۲۸) ایسی شے جسے اللہ

عزوجل نے پیدا کیا اور نا پسند کیا تو وہ گدھے کی آواز ہے۔ جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ لقمان۔۱۹) ترجمہ: بے شک سب آوازوں میں بری گدھے کی آواز ہے۔(۲۹) ایسی چیز جسے اللہ عزوجل نے پیدا کیا اور اسے بڑا کہا تو وہ عورتوں کا مکر ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:(سورۃ یوسف۔۲۸) ترجمہ: بے شک تم عورتوں کا چرتر بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔(۳۰) وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اس کے متعلق سوال کیا تو وہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا عصا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(سورۃ طٰہٰ۔۱۷۔۱۸) ترجمہ: اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! انہوں نے کہا: یہ میرا عصا ہے، میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔(۳۱) سب سے افضل عورتیں اُمّ البشر حضرت اماں حوا علیہا السلام، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت آسیہ علیہا السلام اور حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔(۳۲) سب سے افضل دریا سیحون جیحون، دجلہ فرات اور مصر کا دریائے نیل ہیں۔(۳۳) سب سے افضل پہاڑ طور ہے۔(۳۴) سب سے افضل چوپایہ گھوڑا ہے۔(۳۵) سب سے افضل مہینہ رمضان المبارک ہے جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:(سورۃ البقرہ:۱۸۵) ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔(۳۶) سب سے افضل رات شب قدر ہے چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے (سورۃ القدر۔۳) ترجمہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔(۳۷) "الطامۃ" سے مراد قیامت ہے (۳۸) وہ درخت جس کی بارہ شاخیں ہیں ہر شاخ میں تیس پتے ہر پتے میں پانچ رنگ، دو سورج کی روشنی میں اور تین سائے میں، تو وہ درخت سال ہے، بارہ مہینے اس کی بارہ شاخیں ہیں، تیس پتے تیس دن ہیں اور پانچ رنگ پانچ نمازیں ہیں، تین سائے میں یعنی مغرب، عشاء اور فجر، دو روشنی میں یعنی ظہر اور عصر (۳۹) ایسی چیز جس میں روح نہیں اور نہ ہی اس پر حج فرض تھا پھر بھی اس نے کعبہ مبارکہ کا طواف کیا تو وہ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔(۴۰) اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار

ملائکہ پیدا فرمائے۔(۴۱)ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔(۴۲)چار اشیا جن کا ذائقہ اور رنگ مختلف ہے مگر اصل ایک ہے تو وہ آنکھ، ناک، منہ اور کان ہے۔ آنکھ کا پانی نمکین، منہ کا پانی میٹھا، ناک کا پانی ترش اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔(۴۳)نقیر ایک جھلی ہے جو گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے۔(۴۴) قطمیر لمڈ ے کے چھلکے کو کہتے ہیں۔(۴۵) قبیل سے مراد گٹھلی کے اندر کا گودا ہے۔(۴۶)السبد اور (۴۷)اللبد بھیڑ اور بکری کے بالوں کو کہتے ہیں۔(۴۸)القلم اور (۴۹)الکریم ہمارے باپ حضرت سیدنا آدم صفی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے پہلے کی جنات قومیں ہیں (۵۰) گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے: اللہ عزوجل ناجائز ٹیکس لینے والے پر لعنت فرمائے۔(۵۱) کتا اپنے بھونکنے میں کہتا ہے یعنی دوزخیوں کے لئے ہلاکت ہے کہ اللہ کے غضب میں ہیں۔(۵۲) بیل اپنے ڈکرانے میں کہتا ہے سبحان اللہ وبحمدہ (۵۳) گھوڑا اپنے ہنہنانے میں کہتا ہے ''پاک ہے میری حفاظت فرمانے والا جب جنگجو لڑتے ہیں اور مردانِ کارزار لڑائی میں مصروف ہوتے ہیں۔''(۵۴)اونٹ اپنے بلبلانے میں کہتا ہے: میرے لئے اللہ عزوجل ہی کافی اور وہی میرا کارساز ہے۔(۵۵) مور اپنی چیخ و پکار میں کہتا ہے: (سورۃ طٰہٰ۔۵) ترجمہ: وہ بڑی رحمت والا اس نے عرش پر استویٰ فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔(۵۶) تیتر اپنی سیٹی میں کہتا ہے اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنے سے نعمتیں ہمیشہ رہتی ہیں۔(۵۷) بلبل اپنے نغموں میں یوں گویا ہوتا ہے (سورۃ الروم۔۱۷) ترجمہ: تو اللہ کی پاکی بولو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔(۵۸) مینڈک اپنی تسبیح میں کہتا ہے پاک ہے جنگلوں اور چٹیل میدانوں میں عظیم معبود، پاک ہے خدائے جبار۔(۵۹) ناقوس اپنی آواز میں کہتا ہے: اللہ عزوجل پاک ہے، وہ حق ہے، اے ابن آدم! اس دنیا کے مشرق و مغرب میں دیکھ! کسی کو ہمیشہ باقی رہنے والا نہ پائے گا۔(۶۰) ایسی مخلوق جسے اللہ عزوجل نے الہام فرمایا، وہ جنوں میں سے ہے نہ انسانوں میں سے اور نہ ہی ملائکہ میں سے تو وہ شہد کی مکھی ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ النحل۔۶۸) ترجمہ: اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں

گھر بنا اور درختوں اور چھتوں میں۔(۶۱) جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ اور (۶۲) جب رات چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟ یہ تو اللہ عزوجل کے پوشیدہ علم میں ہے، کسی نبی یا مقرب فرشتے پر بھی ظاہر نہیں۔

مذکورہ تمام جوابات دینے کے بعد حضرت سید ابویزید بسطامی نے پوچھا ''کیا تمہارا کوئی سوال باقی ہے؟'' انہوں نے کہا ''نہیں۔'' تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے پادری سے فرمایا ''بتاؤ آسمانوں اور جنت کی چابی کیا ہے؟''

ان کا بڑا پادری خاموش رہا تو سب نے اسے کہا: آپ نے اتنے سوالات پوچھے اور انہوں نے سب کے جوابات دیئے، اب انہوں نے ایک ہی سوال کیا اور آپ جواب دینے سے عاجز آگئے۔ پادری نے کہا ''میں عاجز نہیں آیا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں جواب دوں گا تو تم تسلیم نہیں کرو گے۔''

انہوں نے کہا ''کیوں نہیں، ہم مانیں گے، کیونکہ آپ ہمارے بزرگ ہیں، آپ جو بھی فرمائیں گے ہم سر تسلیم کریں گے۔''

تو بڑے پادری نے کہا ''آسمانوں اور جنت کی چابی کلمہ طیب ہے۔ دیگر پادریوں اور راہبوں نے سنا تو وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے گرجا گھر توڑ کر اسے مسجد میں تبدیل کر دیا اور اپنے اپنے زنار بھی توڑ دیئے۔

مریم جمیلہ

علماء کون ہیں؟

آج کل سبھی مسلمان ممالک میں ایک مخصوص گروہ علماء کے خلاف ناپاک پروپیگنڈے

میں مصروف ہے۔ یہ لوگ بڑے پُرفریب انداز میں عالم اسلام کے علماء کا مقابلہ قرونِ وسطیٰ کی یورپی مسیحی دنیا کے پادریوں سے کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین کو متنفر کرنے کے لیے ان کی بڑی بھیانک تصویر کھینچتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ علماء عیش و عشرت کی زندگی گزارتے اور اپنے عقیدت مندوں کا استحصال کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو معاند فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے جو سب کے سب باہمی سر پھٹول اور جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ عالم اسلام اپنی ساری تاریخ میں جن مفاسد سے دوچار رہا ہے، ان کی ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ہم مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کی تعبیر و تشریح کا حق و اختیار علماء کو دے رکھا ہے۔ اس سارے اربعہ ستہ (صورتِ حال) سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی نجات اس میں ہے کہ اسلام کی ان تمام تعبیرات کو مسترد کر دیں جو یہ ادّعا پسند علماء پیش کرتے ہیں۔ ان "ملاؤں" سے چھٹکارا پائیں اور اسلام کا بالکل جدید قالب خود تیار کریں۔

علماء کون ہیں؟ کیا وہ پروہت ہیں؟ کیا وہ کوئی موروثی حکمران ذات ہے جس میں غیر ذات کا کوئی آدمی شامل نہیں ہو سکتا؟ ان سب باتوں کا جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ وہ مسلمان جو عربی زبان، قرآن، حدیث اور اسلامی فقہ کا ناگزیر مطلوبہ علم حاصل کر لیتا ہے، عالم کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لیکن آج ہم ایک بے حد المناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ایک گروہ جو خالص انگریزی تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔ جس کی ایک بڑی تعداد نے مسیحی مشنریوں کے جاری کردہ سکولوں اور کالجوں میں پڑھا ہے۔ جو نہ صرف اسلامی تعلیم کی تحصیل اور اس کی اہمیت کا منکر ہے، بلکہ جس کا قلب اس کے لیے اپنے دامن میں نفرت کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا، وہ مصر ہے کہ اسے اسلام اور اس کے قوانین کی از سرِ نو تعبیر کا حق حاصل ہے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ اسلام "ملاؤں" کا اجارہ نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت بودا استدلال ہے۔ اگر کسی کام کے لیے علمی مہارت اور تربیت درکار ہے تو اسے ضروری شرائط پر پورا اترنے والے لوگوں کے سوا اور کون بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے؟ پھر جو لوگ شریعت سے بالکل بے بہرہ ہیں، انہیں اجتہاد کی اہلیت کا سزاوار کیوں قرار دیا جا سکتا ہے؟!

ہمیں اپنی ساری تاریخ میں علماء عیش و عشرت اور راحت و سہولت کی زندگی سے دُور، بڑے صبر و استقلال کے ساتھ انتہائی مظالم برداشت کیے، آلام و شدائد کا سامنا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو تعذیب و اذیت کس نے دی؟ مسیحیوں، یہودیوں یا ہنود نے نہیں ہمارے اپنے حکمرانوں نے جن کے نام مسلمانوں کے سے تھے، جو نہیں چاہتے تھے کہ اسلام مملکت کے معاملات میں حصہ دار ہو۔ ابو حنیفہ، شافعی، مالک اور ابن حنبل ایسے جلیل القدر ائمہ کو ظلم و تشدد کیوں سہنا پڑا؟

اس لیے کہ انہوں نے معتزلہ کے مبتدعانہ افکار کی توثیق سے انکار کر دیا تھا جو اس زمانے کے حکمران طبقے میں بے حد مقبول تھے۔ امام احمد کو کوڑوں کی ایسی سخت مار کیوں ماری گئی کہ اگر ہاتھیوں پر بھی پڑتی تو وہ چلا اُٹھتے۔ امام ابن تیمیہ کا جرم کیا تھا کہ انہیں بار بار قید و بند میں ڈالا گیا، حتیٰ کہ وہ قید ہی کی حالت میں واصل بہ حق ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی کو جہانگیر نے گوالیار کے قلعے میں کیوں قید کیا؟ کیا اس لیے نہیں کہ انہوں نے بادشاہ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا؟!

آج سلطنت کس کے ہاتھ میں ہے؟ علماء کے ہاتھ میں یقیناً نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو علماء جدید زندگی کے غیر اسلامی معمولات کی علانیہ مذمت کرتے ہیں، جو لادینیت، مادہ پرستی اور الحاد کی راہ میں مزاحم ہیں اور جو احیائے اسلام کی جد و جہد کرنے والی تحریکوں کے حامی ہیں اور تقریباً ہر مسلمان ملک میں دار و گیر کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس تعذیب و اذیت اور جبر و تشدد کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ انہوں نے بدعات و منکرات کے مقابلے میں نہایت صبر و ثبات اور جرأت کے ساتھ دین کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ "ملا" کی مذہبی آمریت کہاں ہے؟ اگر علماء مسلمانوں کو آزادی کے ثمرات سے محروم کرنے اور روشن خیالی اور ترقی کی راہ سے روکنے کی سلطنت رکھتے ہیں تو وہ اس سارے ظلم و جور کا تختۂ مشق بننے پر کیوں مجبور ہیں؟ عامۃ المسلمین کے دل میں ان علماء کے لیے عزت و احترام کو جذبہ پایا جاتا ہے، وہ نہ تو محض ایک امر اتفاقی ہے اور نہ نری قدامت پسندی یا تقلید کا شاخسانہ۔ انہیں مسلمان معاشرے میں جو عظمت و وقعت ہے، وہ کسی مادی سلطنت کی مرہونِ منت نہیں ہے، بلکہ انہیں یہ مقام عظیم

مجدداُن کے کمالِ علم و فضل، بصیرت، کردار، ورع و تقویٰ اور اسلام کی راہ میں جدوجہد، قربانیوں اور مصائب وشدائد کی بدولت ملا ہے۔ ان کی زندگی اور کام بجائے خود اس بات کا یقین پرور ثبوت ہے کہ انہوں نے شریعت کے صحیح معانی و مطالب معلوم کرنے میں ہر ممکن انسانی کوشش کی ہے اور ان کی پیش کردہ تعبیر پر کامل اعتقاد اور دیانت داری کے ساتھ اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ علماء پر تہمت طرازی کرتے ہیں اور ان کی تعبیرات کو ''ادعائی فاضل اصحاب'' کی رائے قرار دے کر مسترد کرتے ہیں، وہ گویا بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بیت، صحابہ کرام، بخاری، مسلم، ابو حنیفہ، شافعی، مالک، ابن حنبل، ابن تیمیہ، شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ ایسے سب ''ادعائی فاضل اصحاب'' نے اسلام کی غلط تعبیر کی تھی اور چودہ سو برس کے بعد آج مغرب کے تہذیبی استعمار کے سائے میں پلنے اور پروان چڑھنے والے ان تجدد پسندوں کو اسلام کی صحیح تعبیر پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ نئے اسلام کی تخلیق، بلکہ قرآن وسنت کے اسلام کے بجائے لندن اور نیویارک کے مسیحی مشنریوں اور مستشرقین کے بتائے ہوئے جعلی دین کو رائج کرنے کے لیے کیسا عجیب استدلال اور پُرفن حیلہ ہے؟ (اسلام کا نظریہ ایک تحقیق۔ مترجم: آباد شاہ پوری ایم اے، ص: ۱۵۹-۱۶۲)

تحریر: فقیہہ صابر سروری قادری

فضول باتوں کے نقصانات

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں کے گھر اور معاشرے کو آسودہ اور پُر مسرت دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام میں جہاں محبت واخوت اور احترام و عزت کے جذبے دلوں میں پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، وہیں مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے رکنے کا بھی حکم دیا گیا ہے جن کے باعث معاشرے کا امن و سکون برباد ہونے کا خدشہ ہو اور محبت و پیار کے رشتے منقطع ہو جاتے ہوں۔ قرآن و حدیث میں زبان کی حفاظت کی بہت تاکید کی گئی ہے کیونکہ اعضائے بدنیہ میں سے زبان ہی وہ عضو ہے جس سے سب سے زیادہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ زبان کے گناہوں سے بچنا بہت مشکل ہے اور اس کے فسادات بھی دوسرے گناہوں سے زیادہ ہیں اس لیے زبان کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب مومنین کی جو صفات بتائی ہیں ان میں سے ایک صفت فضول اور لغو باتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (سورۃ المومنون: آیت 3)

ترجمہ: اور جو (مومنین) لغویات (بے ہودہ باتوں) سے منہ موڑنے والے ہیں۔

مومن بے ہودہ باتوں اور بے مقصد کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔ بولنے میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جس کی زبان درست ہو اُس کے تمام اعمال اصلاح یافتہ ہو جائیں گے اور جس کی زبان میں خرابی ہو اُس کے تمام اعمال میں خرابی ظاہر ہو گی۔ جو شخص اپنی زبان کو کھلی چھٹی دے دیتا ہے تو اُسے ہلاکت کے کنارے پر لے جاتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آدمی زبان کی بے باکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ یا نتھنوں کے بل جہنم میں گرائے جائیں گے۔ (جامع ترمذی 2616)

زبان کی آفات بیشمار ہیں مثلاً خطاء، جھوٹ، غیبت، چغلی، ریاکاری، منافقت، فحش کلامی، جھگڑا اور خودسرائی وغیرہ۔ یہ وہ برے اعمال ہیں جن کا تعلق براہِ راست زبان سے ہے۔ امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں زبان کی بیس آفات بیان کی ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1۔ بے مقصد گفتگو اور فضول کلام

ایسی گفتگو جس کی مطلب نہ ہو اور نہ ہی اس سے کسی کو فائدہ حاصل ہو بے مقصد گفتگو کہلاتی ہے۔ جبکہ وہ کلام جو فائدہ مند تو ہو لیکن بلاضرورت ہو فضول کلام کہلاتا ہے۔ جو شخص فضول گوئی سے بچتا ہے اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہُ مَا لَایَعْنِیْہِ۔(سنن ابن ماجہ۔3976)

ترجمہ: کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جس بات کا تعلق اس سے نہ ہو اُسے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب مومن بات کرنا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اگر فائدہ ہو تو بات کرتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور فاجر کی زبان خوب چلتی ہے۔

وہ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا ''دو چیزیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں زائد مال اور فضول کلام۔''

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس شخص کی گفتگو زیادہ ہو اس کا جھوٹ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

2۔ باطل اُمور میں مشغولیت

بے فائدہ گفتگو کی بھرمار، خلافِ شرع ممنوع باتوں میں مشغولیت، بدعات اور عملِ فاسدہ کا ذکر مثلاً عورتوں کے حالات، شراب کی مجالس، بدکاری کی مجالس، لوگوں کی عیاشی، مذموم رسوم اور ناپسندیدہ حالات کا ذکر کرنا یہ تمام باتیں امور باطل میں شامل ہیں۔

حضرت معاویہ بہزیؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں کے سامنے انہیں ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں کہتا ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے۔(مسند احمد۔19174)

اللہ تعالیٰ بیہودہ اور فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا۔(مسند احمد۔16964)

3۔ خصومت (جھگڑا کرنا)

دوسروں کے کلام پر طعن و تشنیع کرنا، ان کے کام پر اعتراض کرنا، ارادے میں خلل ڈالنا، دوسروں کی تحقیر اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا اور اپنے کلام پر ڈٹ جانا ''خصومت'' کہلاتا ہے۔ متفق علیہ حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند وہ شخص ہے جو بہت جھگڑالو ہو۔(صحیح بخاری۔2457)

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے:

لوگوں میں سب سے برا شخص اللہ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہو گا جس سے لوگوں نے اس کی فحش کلامی سے بچنے کے لئے علیحدگی اختیار کر لی ہو یا اُسے چھوڑ دیا ہو۔(سنن ابو داؤد۔4791)

زبان کی یہ آفت انسان کو ہلاک کرنے والی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ انسان دل سے تکبر ختم کردے، دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا، دوسروں کو کمتر سمجھنا چھوڑ دے اور ایسی عادات کا خاتمہ کردے جو دوسروں کی عیب جوئی کا باعث بنیں کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنے سے ہوتا ہے۔

4۔پُر تکلف کلام کرنا

منہ کھول کر بے تکلف مسجع ومرصع اور فصاحت سے بھرپور کلام کرنا اور اس میں مبالغہ آرائی وتصنع کے لئے مقدمات اور تمہیدات شامل کرنا، جیسا کہ عام خود ساختہ فصاحت کے دعویدار اور خطابت کے مدعی لوگوں کی عادت ہے، یہ تمام باتیں مذموم تصنع سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ایسا تکلف ہے جو غضب کو دعوت دیتا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب اچھے اخلاق والے ہوں گے اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مبغوض اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور بداخلاق، بیہودہ گو، پھیلا کر لمبی بات کرنے والے اور جبڑا کھول کر تکلف بولنے والے ہوں گے۔(مسند احمد۔17884)

5۔بدکلامی اور گالی گلوچ

اس سے مراد ایسی بات ظاہر کرنا ہے جس کے بیان سے انسان شرم وندامت محسوس کرتا ہے۔ بدکلامی اور گالی گلوچ کی بنیاد باطنی اور ظاہری کمینگی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مومن طعن وتشنیع کرنے والا، لعن طعن کرنے والا، فحش کلامی اور بدکلامی کرنے والا نہیں ہوتا۔(ابن ابی شیبہ۔30973)

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلٰى كُلِّ فَاحِشٍ اَنْ يَدْخُلَهَا .

ترجمہ: ہر فحش کلام کرنے والے پر جنت کا داخل حرام ہے۔

حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قیامت کے دن فحش کلام اور بیہودہ بکنے والے کو کتے کی صورت میں یا کتے کے پیٹ میں لایا جائے گا۔(احیاء العلوم الدین۔جلد سوم)

فحش کلامی کا مطلب مخاطب کو اذیت پہنچانا ہوتا ہے۔ بدکلامی اور گالی گلوچ فاسق لوگوں کی عادت بن جاتی ہے لہٰذا ان لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ جو شخص زبان کو کھلی چھوٹ دے دے تو وہ اس کی آفات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اگر خاموشی اختیار کرے تو وہ ان تمام آفات وبلیات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حیا اور کم گوئی ایمان کی دو شاخیں ہیں جبکہ فحش کلامی اور کثرتِ کلام نفاق کی دو شاخیں ہیں۔(جامع ترمذی۔2027)

حیا اور کم گوئی کے سبب انسان بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ دونوں خصلتیں انسان کو بہت سے گناہوں کے ارتکاب سے روک دیتی ہیں جبکہ فضول گوئی سے انسان جھوٹ کا بھی ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور جو دل میں ہو اُس کے خلاف بھی بول پڑتا ہے، یہی نفاق ہے۔ وہ کلام جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔(جامع ترمذی۔2501)

مطلب یہ ہے کہ خاموش رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بہت سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی و اُخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور نقصانات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

"زبان کی جسامت تو چھوٹی ہے مگر اس کے گناہ بہت بڑے ہیں"۔

اسلام میں خاموشی کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ خود اچھا عمل ہے تو جو اس عمل کو اختیار کرے گا یقیناً وہ مزید کئی اچھے اعمال سر انجام دے سکے گا۔ خاموش رہنا اچھی طرح سے سوچنا ہی ہے اور کائناتِ خداوندی میں غور و فکر کرنا بھی بڑا پسندیدہ عمل ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ. (سورۃ روم آیت 8)

ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے اندر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر (نظام) حق اور مقررہ مدت (کے دورانیے) کے ساتھ، اور بے شک اکثر لوگ لقائے الٰہی (دیدار الٰہی) کے منکر ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے دعوتِ غور و فکر دی ہے کہ اپنے اندر تفکر اور غور و فکر کرو اور آسمانوں اور زمین میں کہ ان کے اندر جو کچھ پیدا فرمایا گیا ہے وہ حق ہے اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔

فضول گوئی سے بچ کر اور خاموش رہنے سے ہی تفکر جیسی عظیم نعمت حاصل ہوتی ہے۔

ہم کائناتِ خداوندی میں تفکر و تدبر اسی صورت میں کر سکتے ہیں۔ ہم لغو اور فضول گوئی کی بجائے خاموشی کو اپنائیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ خاموش رہنے اور خاموشی اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی بالکل نہ بولے بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت کی بات کرے اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرے۔ اسی لیے فرمایا گیا "بُری بات کرنے سے خاموش رہنا سنجیدگی کی علامت ہے اور اچھی بات کہنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔"

حضرت ابوذر نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

"طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ خاموشی شیطان کو دور بھگاتی ہے اور دینی امور میں تمہاری مددگار ہوتی ہے یعنی خاموشی پر مداومت اختیار کرنے کی وجہ سے تمہیں اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے کا زیادہ سے زیادہ یہ موقع نصیب ہوگا۔ علاوہ ازیں خاموشی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تم اپنے آپ کو شیطان کی فتنہ خیزیوں سے محفوظ رکھ سکو گے جو زبان کے راستہ سے عملی زندگی میں سرایت کرتا ہے اور دنیا و آخرت کے زبردست نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خاموشی تمہاری دینی و اُخروی بھلائی و سعادت کی ضامن بھی بنے گی کیونکہ وہ تمہیں زبان کی آفتوں سے محفوظ و سلامت رکھ کر تمہارے دل کو اللہ کی طرف متوجہ رکھے گی تو یہ چیز ذکر خفی کا سبب سے تمہارے حق میں علوم و معارف اور نورانیت قلب کے حصول کا سبب ہوگی۔"(مشکوۃ المصابیح۔4765)

اسلاف کرام کی زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں درس حاصل کرنا چاہیے کہ انہوں نے کس طرح حفاظت زبان کا خیال رکھا، فضول و لایعنی باتوں سے اپنے آپ کو بچایا اور عوام الناس کو بھی اسی کا درس دیا۔ ہمارے اسلاف نے حفاظت زبان کے بارے میں جو مثالی نمونے پیش

فرمائے ہیں وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے فضول باتوں سے حفاظت زبان کو ہمیشہ اپنا شیوہ رکھا۔

سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

اے لوگو! بیہودہ آرزوؤں اور حرص کو چھوڑ دو، اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، فائدہ دینے والوں سے بات کرو، نقصان دینے والوں سے پرہیز رکھو۔ جب بات کرنا چاہو تو پہلے اس میں سوچ بچار کرلو، پھر نیکی کے ساتھ بات کیا کرو، اسی لیے کہا گیا ہے کہ جاہل کی زبان اس کے دل کے آگے ہے اور عاقل و عالم کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہے۔ چپ سادھ لے۔ اللہ تعالیٰ جب تجھے بلوانا چاہے گا تو بلوائے گا۔ تجھ سے کام لینا چاہے گا تو اس کے لیے تجھے تیار کردے گا۔ اس کی معیت اور محبت کے لیے گونگا ہونا شرط ہے۔ جب گونگائی کامل ہو جائے اللہ چاہے تو گویائی مل جائے گی اور اگر وہ چاہے تو آخر تک گونگا ہی رکھے۔ (الفتح الربانی)

مولانا محمد یوسف — آخری قسط

ترتیب وتشریح: محمد موسیٰ بھٹو

بندہ مؤمن کی طرز زندگی

اور اس کے اصول و آداب

اخلاص دعویٰ کی چیز نہیں

حاصل کرنے کی چیز ہے

• اخلاص دعویٰ کی چیز نہیں ہے، حاصل کرنے کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے بارے میں فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں دیا ہے، قیامت کے دن اس کا فیصلہ فرمائیں گے، لہذا اخلاص کے بارے میں فکر مندی ضروری ہے۔ (اخلاص ایسی چیز ہے، جس کے لئے نفس سے سخت معرکہ آرائی کی ضرورت ہے، اس لئے کہ نفس، اخلاص کی راہ میں شدید حائل ہے، وہ ہر معاملہ میں اللہ کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی رکھتا ہے، نفس نامراد غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر تابع نہیں ہوتا اور اخلاص کو قائم ہونے نہیں دیتا)۔

اختلاف کے اظہار میں احتیاط کی ضرورت

• کام کرنے والوں میں اختلاف، طبیعتوں اور رائے کا ہوتا ہے، اختلاف اتحاد کو لے ڈوبتا ہے، اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے تحمل ضروری ہے۔ (اختلاف میں اگر جذبہ محبت شامل ہو اور اس میں ضد شامل نہ ہو تو اس طرح کے اختلاف سے انتشار پیدا نہیں ہوتا، لیکن چونکہ عام طور پر جذبہ محبت غالب نہیں ہوتا، اس لئے اختلاف کے اظہار میں احتیاط ضروری ہے)۔

علم کا ذکر کے بغیر ظلمت ہونا
اور ذکر کا علم کے بغیر فتنہ ہونا

• علم بغیر ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے (علم بغیر ذکر کے ظلمت ہے، اس لئے کہ ذکر کے نور سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنے کی استعداد عطا ہوتی ہے، ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذکر سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اور بعض افراد کو دوسری دنیا کے مشاہدات بھی حاصل ہوتے ہیں، اگر علم نہیں ہے تو فرد انہی چیزوں کو حاصل سمجھنے

لگتا ہے اور بعض اوقات وہ ذکر میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ شرعی احکامات سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اس طرح علم کے بغیر ذکر فتنہ بن جاتا ہے، بعض اوقات فرد ناقص پیر سے ذکر لیتا ہے، اس ذکر سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور ظاہری زندگی میں بھی کچھ تبدیلی آتی ہے، لیکن اس کے باطن کی اصلاح نہیں ہو پاتی، حرص و ہوس و حسد و جلن وغیرہ کے جذبات اس کے اندر سے زندگی بھر نکلنے نہیں پاتے ہیں۔ یہ ہے کہ ناقص پیر جن سے اس کا ذکر کا تعلق ہے، اس کے نفس کی فنائیت والے مجاہدے سرے سے ہیں ہی نہیں ہیں۔ پیر کے ذکر کا ملکہ مستحکم نہیں ہے، اسے باطن کی تہذیب۔ نہیں ہے تو اس سے وابستہ فرد کے ذکر سے یہ پاکیزہ کیفیات اسے کیسے حاصل ہو سکتی ہیں، اس لئے ذکر کے ساتھ ساتھ کامل اور ناقص شیخ کے بارے میں صحیح معلومات بھی ناگزیر ہیں)۔

دوسروں کی بدسلوکی کو
اپنا قصور سمجھنا

• اگر کسی نے بدسلوکی یا برائی کی ہے تو اس میں اپنا قصور سمجھا جائے، دوسروں کو قصور وار نہ سمجھا جائے، کیونکہ بعض عیوب اندر میں ایسے ہوتے ہیں، جو خود کو معلوم نہیں ہوتے دوسروں کو معلوم ہوتے ہیں۔ (دوسروں کی بدسلوکی کو اپنا قصور سمجھنا، اس کے لئے بڑے ظرف کی ضرورت ہے، یہ ظرف کثرت ذکر سے ہی پیدا ہو سکتا ہے، یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اہل اللہ کی زندگی اس کردار کا نمونہ ہوتی ہے۔ یہ بات بجا ہے کہ فرد کو اپنے عیب نظر نہیں آتے، اگر دوسرے عیبوں کی طرف توجہ دلائیں تو ان کا مشکور ہونا چاہئے،

اس پر ناراض ہونا، اس بات کی علامت ہے کہ اصلاح نفس کا میلان کمزور حالت میں ہے، یعنی نفس کی اصلاح کے معاملے میں فرد ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے)۔

بے اصولی کے لئے لڑنا
سب سے بڑی بے اصولی ہے

• بے اصولی کے لئے لڑنا سب سے بڑی بے اصولی ہے، برائی سے اصول قائم نہیں ہوگا بلکہ افتراق پیدا ہوگا۔ (دوستوں اور ساتھیوں کی بے اصولی پر موقعہ وبے موقعہ روک ٹوک کرنا، اس سے نفع سے زیادہ نقصان ہوتا ہے، اس لئے کہ اس سے رد عمل کی نفسیات پیدا ہوتی ہے نیز روک ٹوک سے جذبات مجروح ہوتے ہیں اگر حکمت سے بے اصولی کی نشاندہی کی جائے تو اس سے اصلاح کی صورت پیدا ہوتی ہے، اگر بے اصولی کی بالکل بھی نشاندہی نہ کی جائے تو اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ فرد میں زندگی بھر وہ غلطی موجود ہوتی ہے، اس لئے اشتعال کے بغیر محبت سے غلطی اور بے اصولی کی نشاندہی کرنا ضروری ہے، محبت سے غلطی کی نشاندہی کرنے کا اثر ہوتا ہے فرد کو نہ صرف اپنی غلطی کا علم ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات وہ نادم ہونے لگتا ہے کہ وہ عرصے سے غلطی کرتا رہا، اسے پتہ ہی نہیں تھا)۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

• انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ رب العزت کو حاصل کرنا ہے۔

(انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ کی عبادت ہے، عبادت میں اطاعت بھی شامل ہے، زندگی کا کوئی پہلو اطاعت سے خالی نہیں ہے، اس طرح پوری زندگی عبادت میں شامل ہونے لگتی ہے)۔

دین خدائی طریقہ کے مطابق
زندگی گزارنے کا نام

• زندگی گزارنے کے خدائی طریقے کا نام دین ہے اور اللہ کے بنائے ہوئے طریقے سے غافل ہو کر زندگی گزارنا دنیا ہے۔ (دین ہمارے ہی حالات کو درست اور بہتر کرنے کا ذریعہ ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اپنے ساتھ تعلق مستحکم کرنے اور اس کے نتیجے میں انسان ذات کے لئے شفیق ہونے اور سلیقہ اسلوب سے بہرہ ور ہونے والا دین عطا فرمایا، دین ایسے طریقہ زندگی کا نام ہے، جس سے بندہ کا اپنے مولا سے بھی تعلق مستحکم ہو تو اپنے جیسے انسانوں سے بھی اس کے تعلقات میں حسن و توازن پیدا ہو، نیز اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں پاکیزگی و سلامتی پیدا ہو، اور ابدی زندگی کامیابی سے ہمکنار ہو۔ دین ان ساری چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، جو قرآن و سنت کی صورت میں موجود ہے)۔

اللہ سے مانگنے کے آداب کو
پیش نظر رکھنا ضروری ہے

• اللہ پاک سے آداب کی رعایت رکھ کر اور کچھ کر کے مانگا جائے تو ملنے کی کوئی حد نہیں، اللہ پاک بے حساب دیتے ہیں۔ (اگر دینی جدوجہد کر کے اللہ سے ٹوٹے ہوئے دل سے مانگا جائے تو عطا ہوتا ہے، اتنا عطا ہوتا ہے کہ حد و حساب سے زیادہ بندہ کو زیادہ دنیا تو مطلوب نہیں ہوتی، اس کی دعا ہوتی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو، اس کی دینی حالت بہتر ہو، اس کی ایمانی کیفیات میں ارتقا ہو، اسے ذکر کی توفیق نصیب ہو، اس کی شخصیت میں صبر پیدا ہو، اسے صالح افراد کی

صحبت حاصل ٹوٹے ہوئے دل سے دعا مانگنے کا معمول بنایا جائے تو اللہ تعالیٰ یہ ساری نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں)۔

اللہ سے مانگتے رہنا

• اللہ پاک کی شان کے مطابق ہمارا کوئی عمل نہیں ہمارے اعمال کوتاہیوں سے بھرے ہوئے ہیں، جو شخص اپنے قصوروں کے اقرار و اعترافِ کمی کی صفت کے ساتھ مانگے تو اللہ پاک معاف فرما دیتے ہیں اور بہت دیتے ہیں۔

(بندہ مومن کو سب سے زیادہ تشویش اس بات پر ہوتی ہے کہ اللہ اس کے گناہ معاف کردے، یہ تشویش اسے بےقرار کر دیتی ہے، زندگی کے ہر موڑ پر اسے اپنے گناہ یاد آتے ہیں، بندے کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر مسلسل استغفار کرتا رہتا ہے، اللہ کی ذات سے توقع رکھنی چاہئے کہ وہ بندے کے گناہوں کو معاف کر کے ان کو نیکیوں میں شمار فرمائے گا۔)

محمد موسیٰ بھٹو

تبصرہ کتب

کتاب کا نام: مولانا سمیع الحق حیات خدمات

مؤلف: مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات: ۱۶۰

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے خالق آباد، نوشہرہ خیبر پختونخواہ مولانا سمیع الحق کی

حیات خدمات، ان کی صفات، ان کے ہمہ جہتی کام اور ان کی شخصیت پر تین جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے، اس کی آخری جلد مولانا سمیع الحق شہید حیات خدمات کے عنوان سے ابھی شائع ہوئی ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب طبقہ علماء میں تصنیف وتالیف کے معاملے میں منفرد کتابیں لکھی ہیں، موصوف جدید دور کے مسائل و چیلنج کو بھی پوری طرح سمجھتے ہیں، ان کے علمی کام کی وسعت واہمیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وقت اور علم میں اللہ کی طرف سے برکت کا جو نظام، خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے، ان کے ساتھ اللہ کا یہی معاملہ ہے۔

طبقہ علماء میں ان کی یہ صفت بھی قابل رشک ہے کہ وہ اپنے حلقے سے باہر کے دینی، علمی اور دعوتی کام پر نہ صرف نظر رکھتے ہیں، بلکہ اس طرح کے کام کو اپنا ہی کام سمجھتے ہیں، اور ''القاسم''میں اس طرح کے علمی شخصیتوں کو متعارف کرانے کا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔

علم میں ان کی فنائیت، امت کو درپیش مسائل کے سلسلے میں ان کی بصیرت، مسلسل لکھتے رہنے اور ہر طرح کے علمی اور اہم موضوعات پر کتابوں کی تیاری و اشاعت کی ان کی ادا کو دیکھتے ہوئے ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے اور یہ آرزو بھی پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس سلسلے کو قائم اور جاری رکھے۔

مولانا سمیع الحق صاحب کی ان کی ترتیب دی ہوئی کتاب کا مواد ایسا ہے جو ان کی شخصیت کے سارے پہلوؤں پر محیط ہے، تینوں جلدیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

میں نے یہ بات کبھی لکھی نہیں، لیکن اب لکھتا ہوں کہ مولانا سمیع الحق سے ملاقات نہ ہونے کے باوجود ان سے انسیت، اپنائیت اور ایسی طبعی مناسبت کسی اور شخصیت سے پیدا نہ ہو سکی، اس کا سبب اسلام کے لئے ان کی فدائیت، مسلم امت کے لئے ان کی کاوشیں اخبارات میں شائع ہونے والے ان کے بیانات میں توازن اور جذبہ جہاد اور ان کی شخصیت کی کشف تھی۔

زیر نظر کتاب سے مولانا شہید کی شخصیت کے بہت سے اہم پہلو سامنے آتے ہیں، یہ کتاب لکھکر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے بڑی خدمت سرانجام دی ہے، یہ کتاب طبقہ علماء میں وسعت فکر و نظر پیدا کرنے کا ان شاء اللہ ذریعہ بنے گی اور ان کے ملت کا بڑا سرمایہ ہونے کی اہمیت کو اجاگر کرے گی۔